إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

"بلند مراتب سالنامہ اللطیف قطب ویلور"

۳۹ ـــ ء ـــ ۱۴

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

سالنامہ

اللطیف

ویلور

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم الله الرحمن الرحیم

سالنامہ ۱۴۳۹ھ | م2018ء | شمارہ نمبر ۵۷

"بلند مراتب سالنامہ اللطیف قطبِ ویلور"

۱۴ــــــــءــــــــ۳۹

اللطیف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء : ۱۰رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ م 26راپریل 2018ء بروز جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۹ھ مطابق 2018ء

منظومات

مناجات قربیؒ

پیش کش:
سید شاہ محمد طاہر قادری
سجادہ نشین خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

سمن براں کے مشاہدے کا یو من میرا جب سوں ذوق پایا
گل و گلستان کا سیر تج کرانے سوں نسدن پرت لگایا

تو ہو مشاہد اپے او شاہد لباسِ رنگین میں ہر ذرے کی
نظر میں آں ے کوں عاشقاں کی اپسکوں آپے سنوار آیا

اپس کی حسن دادا کی غیرت سوں غیریت کوں ندے تھکانا
لباسِ اغیارَ پین اپس کوں نظر سوں اغیارِ کے چھپایا

جلاءِ ہستی سوں کر مجلّا ہر ایک ذرے کی آرسی میں
کمال کی پین سب جواہر اپس کا رخسار اپے نجھایا

وہی زمیں ہے وہی فلک ہے وہی پری ہے وہی ملک ہے
وہی سورج ہے وہی جھلک ہے وہی قمر ہو کو جھل جھلایا

اپے ہی ساقی اپے صراحی اپے می و جام اپے معاشر
اپے مغنی اپے ہی پاکوب اچھے ہو ہر سار اپے بجایا

ونحن اقرب الیہ بولیا ولیل برحق یگانگی پر
بھی کل شیٔ محیط کہہ کر وہی پرم کا مزہ چکایا

دلیل فاینما تولو فثم وجہ بوجہ قربیؔ
ہر ایک ذرے میں وجہ انور (ہو) اس کا عشاق کو بتایا

رباعیات امجدؒ

حضرت امجدؔ حیدرآبادی

حضرت امجدؔ حیدرآبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت صوفی منش امجد کے کلام کو حرز جان سمجھتے ہیں۔ اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے پانچ رباعیات پیش ہیں۔

فاذکرو نی اذکر کم

تم مجھے یاد کرو تو میں تم کو یاد کروں

بے غم سے ترے اپنا دل نہ کیوں شاد کروں
جب تو سنتا ہے کیوں نہ فریاد کروں
میں یاد کروں تو، تو مجھے یاد کرے
تو یاد کرے، تو میں نہ کیوں یاد کروں

هو الباقی

وہی باقی ہے

واجب ہی کو ہے دوام باقی فانی
قیوم کو ہے قیام باقی فانی
کہنے کو زمین و آسمان سب کچھ ہے
باقی ہے اُسی کا نام باقی فانی

ولا تخرزنا یوم القیامه

اے خدا ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کر

ضایع فرما، نہ سرفروشی کو مری
مٹی میں ملا نہ گرم جوشی کو مری
آیا ہوں کفن پہن کے اے ربِ غفور
دھبہ نہ لگے سپید پوشی کو مری

و تعز من تشاء و تذل من تشاء

تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے

ہر ذرہ پہ فضل کبریا ہوتا ہے
ایک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام، دبی زباں سے یہ کہتے ہیں
وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا

روئداد دارالعلوم لطیفیه

قوم مسلم کی پستی کے اسباب کی تلاش میں آج جبکہ بڑے بڑے مصلحانِ قوم ورہنمایان ملک وملت مصروف ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پر آشوب زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی ومعاشرتی اور اقتصادی حالات حد درجہ تباہ وبرباد ہوچکی ہے۔ ایسے وقت میں ملت کا ہر فرد اپنی زبوں حالی وبد حالی کو مدنظر رکھ کر اپنے اپنے گریباں میں سر ڈال کر سوچے اور فکر کرے کہ آخر ہم وہی قوم تو ہیں جن کے جادو کا جلالی شوکت واقبال سطوت وحشمت کا خورشید ترقی کی انتہائی بلندیوں کو پہنچا ہوا تھا جس کا دنیا اور دنیا والوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔

آغازِ سال نو: مختلف علاقوں سے آنے والے تشنگانِ علوم کا داخلہ ۱۱ر شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ مطابق ۶ر جولائی ۲۰۱۷ء سے ہوا۔

دورۂ حدیث: عالیجناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم کے مبارک ہاتھوں سے دارالعلوم کے ہال میں بخاری شریف، مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز مورخہ ۲۵ر شوال المکرّم مطابق ۲۰ر جولائی ۲۰۱۷ء سے آغاز اور ۲۵ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ بروز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے اختتام پذیر ہوا۔

افتتاحی اجلاس: حسب عادت امسال بھی انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۳ر اگست ۲۰۱۷ء روز دوشنبہ بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری، ناظم دارالعلوم نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی، ناظم جمالیہ عربک کالج مدراس نے بزبان عربی تقریر فرمائی جسمیں آداب ولحاظ علم دین کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ نیز ڈاکٹر امان اللہ پروفیسر شعبۂ اردو مدراس یونیورسٹی نے اردو زبان میں بنفس نفیس بڑے اچھے انداز میں خطاب فرمایا۔

نوید مسرت: یونیورسٹی کے افضل العلماء وادیب فاضل امتحانات میں طلباء شریک رہے اور شاندار کامیابی حاصل کی۔

امتحانات دارالعلوم: اساتذہ کرام کی نگرانی میں ششماہی اور سالانہ امتحانات ہوئے مورخہ ۹رتا۱۴ر ڈسمبر ۲۰۱۷ء ششماہی امتحانات مسلسل جاری رہے۔اور سالانہ امتحانات ۱۴راپریل سے شروع ہوکر مسلسل آٹھ دن چلتے رہے۔

عباپوشی وعطائے اسناد: مورخہ ۱۴رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ صبح ٹھیک ساڑھے دس بجے سالانہ اجلاس اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوا۔جس کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری ناظم دارالعلوم نے فرمائی جسمیں مقامی و بیرونی علمائے کرام علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے اور ناظم موصوف نے اپنے دست فیض اقدس سے طلباء میں عباواسناد عطافرمایا۔

ہدیہ تشکر: دارالعلوم ان تمام احباب ومعتقدان حضرات کا شکرگزار ہے جنہوں نے اپنے خلوص سے دارالعلوم کے تمام اہم کاموں کو انجام دیا۔اللہ رب العزت ان تمام کو حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے دنیاوآخرت میں اجرعظیم عطافرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆☆☆

قطعہ

محبوں کچھ نہ پوچھو ساتھ کیا سامان لایا ہوں
بڑی قسمت ہے میری میں نرالی شان لایا ہوں
نہ تخت وتاک لایا ہوں، نہ میرے پاس دولت ہے
خدا جن کا ہے شیدا، اُن پہ میں ایمان لایا ہوں

محشرؔ رہبری

افتتاحیہ

ادارہ

انسان کی فطرت وطبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اکیلا اور تنہا اپنی زندگی بسر نہیں کرسکتا چنانچہ بنی نوع انسان کی اولین ہستی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگے اور اس تنہائی سے بے چین اور مضطرب رہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس اضطرابی کیفیت کو اس طرح دور فرمایا کہ ان کی پسلی سے حضرت حوا علیھا السلام کی تخلیق کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کی جانب نگاہ کی تو ان کے دل میں حضرت حوا کی محبت والفت پیدا ہوگئی اور وہ اپنے ہم جنس کی طرف راغب اور متوجہ ہوئے اور ضابطہ الٰہی کے تحت ان دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق کی راہ ہموار ہوئی اور نسل انسانی کا سلسلہ جاری ہوا اور اس پیدائشی سلسلہ کو خاندانی نظام کی شکل میں تبدیل کیا گیا۔ قرآن کریم کا بیان ہے۔ ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودة ورحمة۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تاکہ تم اپنی بیویوں سے سکون وآرام پاؤ۔ اور اسی ربِ کریم نے میاں بیوی کے دلوں میں باہمی محبت والفت اور خیر خواہی وہمدردی قائم کردی۔

اسی ازدواجی تعلق کے ساتھ شوہر کے اوپر بیوی کے حقوق اور بیوی کے اوپر شوہر کے حقوق عائد اور متعین کئے گئے چنانچہ بیوی پر شوہر کا حق یہ ہے کہ وہ نیک اور اچھے کاموں میں شوہر کی اطاعت کرے اور اس کے گھر اور اسکے مال واسباب اور اسکی اولاد اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں عورت کو اس حقیقت سے مطلع اور آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اس وقت تک پورا پورا ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق پورا پورا ادا نہ کرے اور یہ بھی ارشاد نبوی ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ جائز ہوتا تو بیوی کو شوہر کے آگے سجدہ کا حکم دیا جاتا لیکن سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

شوہر کے اوپر بیوی کا حق یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اور خوشگوار طریقے سے زندگی بسر کرے اور ہمیشہ اس کے ساتھ محبت والفت، رفق وملاطفت اور دل جوئی سے پیش آئے۔ اور اگر بیوی کے اندر کوئی ناپسندیدہ بات بھی ہو تو یہ خیال کرے کہ اس کے اندر اللہ نے دوسری خوبی اور بھلائی ضرور رکھی ہے۔ اس طرح کی سوچ اور فکر کے ساتھ صرف اس کی خوبی کی طرف التفات کرے اور اس کی خرابی کی طرف التفات نہ کرے، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس کے ٹیڑے پن کو دور کرنے کے درپے ہو جاؤ گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رفقا بالقوارير" تمہاری بیویاں شیشوں کی طرح ہیں ان کے ساتھ نرمی اور آہستگی کے ساتھ پیش آتے رہو۔ تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے

گھر والوں کے حق میں بہترین ہو۔ خیارکم خیارکم لا ھلہ و انا خیر فی اھلی ۔ کیا تم مجھے نہیں دیکھتے میں اپنے گھر والوں کے حق کس قدر بہتر آدمی ہوں۔

ایک بڑی مشہور حدیث میں میاں بیوی کے حقوق وفرائض کی نشاندھی کے ساتھ حاکم اور امیر کی ذمہ داری اور اسکے فرض کی بھی نشاندھی کی گئی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ شوہر کی حیثیت گھر میں حاکم اور امیر جیسی ہے تا کہ تمام گھر والے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں اور گھر کا نظام حسن وخوبی اور سلیقہ کے ساتھ چلتا رہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ والامیر راع الرجل راع علی اھل بیتہ والمراۃ راعیۃ علی بیت زوجھا و ولدہ فکلم راع و کلم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا حاکم اور امیر اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اسکی اولاد کی ذمہ دار ہے، پس تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے تمہاری رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس حدیث کا ایک قابل غور پہلو یہ ہے کہ ایک شخص کا فرض دوسرے کا حق ہے۔ پہلا شخص اپنا فرض ادا کر دے تو دوسرے کا حق خود بخود ادا ہو جائے گا۔ شوہر اپنے فرائض کو حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرتا چلا جائے تو خود بخود بیوی کے حقوق ادا ہوتے چلے جائیں گے۔ کسی بھی شخص کا اپنے فرائض کو ادا نہ کرنا ہی دوسرے کے حق تلفی کا سبب بن جاتا ہے۔ ازدواجی زندگی میں تلخی اور فساد کا پیش خیمہ دراصل فرائض اور ذمہ داریوں کا ادا نہ کرنا ہوتا ہے اور میاں بیوی ہی گھریلو زندگی اور خاندانی نظام کی بنیاد اور اساس ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ ایک خاندانی نظام صحیح سمت میں چلتا رہتا ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے مشترکہ خاندان کا رواج چلا آرہا ہے۔ اس خاندانی نظام میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی ہیں۔ اس مقام پر مشترک خاندان کی بعض خوبیوں کی نشاندھی کی جاتی ہے۔ مشترک خاندان کا خاکہ یہ ہے کہ اس میں میاں بیوی اور شوہر کے ماں باپ اور اس کے غیر شادی شدہ بھائی بہن ایک ساتھ رہتے ہیں بہنیں نکاح کے بعد سسرال چلی جاتی ہیں، بھائیاں اپنی شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ اسی گھر میں رہتے ہیں۔ گھر کے مرد اپنی اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اپنے والدین کے حقوق ادا کرتے ہیں اور غیر شادی شدہ چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی شادی بیاہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اور گھر کی بہو بیبیاں اپنے شوہروں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش و پرداخت کا پورا خیال رکھتی ہیں۔ اور اپنی ساس اور سسر کی خدمت بھی انجام دیتی ہیں، نیز غیر شادی شدہ دیوروں اور نندوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ اس طرح سے گھر کے سارے مرد اور ساری عورتیں آپسی میل جول، باہمی اتفاق اور محبت والفت کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ اس نوع کے خاندانی نظام کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ بچوں کو بزرگوں کی صحبت وہم نشینی، شفقت و

الفت اور تربیت میسر آتی ہے۔ بچوں کی غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ اسلامی آداب واقدار اور خاندانی روایات کی حامل اور پابند ہوتی ہے۔ اور شعوری وغیر شعوری طور پر بچوں کے ذہن و دل پر بزرگوں کے گفتار و کردار کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں اور یہ کہاوت سچ ہو جاتی ہے" الولد سر لابیہ" بچے ماں باپ کی صفات وعادات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس نظام میں والدین کو ان کی پیرانہ سالی اور بیماری میں اولاد کی طرف سے دیکھ بھال اور خدمت میسر ہوتی ہے اور ان کی ضروریات و اخراجات کی تکمیل ہوتی ہے۔ عورتیں بھی گھریلو کام کاج میں ایک دوسرے کی معاون بن جاتی ہیں اور کوئی مرد، عورت اور بچہ بیمار ہو جائے تو تیمارداری اور خدمت گزاری میں سب شامل ہو جاتے ہیں اور مرد بھی آپس میں گھر کے باہر کے کاموں اور بچوں کے تعلیمی و دیگر ضروری امور میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ایک شخص سفر پر چلا گیا تو اس کی غیر حاضری کے باعث اس کی بیوی بچوں کی ضروریات کی تکمیل اور خانگی امور میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ مشترک خاندان میں کچھ اس طرح کا ماحول قائم رہتا ہے کہ رنج وغم میں ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں تو خوشی ومسرت میں سب شریک وسہیم نظر آتے ہیں۔

مشترک خاندان کی ایک بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایسے خاندان میں ماں باپ کی زندگی کی پیرانہ سالی و بیماری اور تنگ دستی و تہی دامنی کا زمانہ نہایت سکون و آرام کے ساتھ گزرتا ہے، جس میں خاندان کے تمام افراد والدین کی خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے جس میں ایک طرف والدین کی زندگی کے آخری ایام سکون کے ساتھ گزرتے ہیں تو دوسری طرف خدمت گزاروں کی آخرت بنتی اور سنورتی ہے اور ان کے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ اس جہت سے مختلف اور متعدد حدیثیں ملتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت ماں کے قدموں تلے ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے۔ ایک صاحب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ میری خدمت اور مدد کے سب سے زیادہ مستحق کون ہیں، ارشاد فرمایا تمہاری ماں۔ سائل پھر دریافت کیا، ماں کے بعد کون ہو سکتے ہیں، اس مرتبہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری ماں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص خوار و ذلیل ہوا، یہی جملہ تین مرتبہ دہرایا تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے ارشاد فرمایا، وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر وہ ان کی خدمت کر کے جنت کا حقدار نہ بن سکا۔

ایک موقع پر حضرات صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ تمام اچھے اور نیک کاموں میں خدا کو ہمارا کونسا کام سب سے زیادہ پسند آتا ہے۔ ارشاد فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا، ماں اور باپ کے ساتھ نیکی اور خدمت کرنا اور جہاد کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ کرام سے فرمایا، کیا تم کو میں بتاؤں کہ دنیا میں سب سے بڑا گناہ کیا ہے، انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے خدا کے رسول! ارشاد فرمایا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

ایک موقع پر کوئی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپہنچے اور آپ سے عرض کی، میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے کوئی توبہ ہے؟۔فرمایا کیا تمہاری ماں زندہ ہے جواب دیا نہیں، دریافت کیا کیا تمہاری خالہ ہے، فرمایا میری خالہ زندہ ہے، ارشاد فرمایا اپنی خالہ کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ نیکی کرو، یہی تمہارے گناہ کا کفارہ اور اس میں تمہاری توبہ ہے۔

والدین کی خدمت اور اُن کے ساتھ حسن وسلوک کا حکم صرف ان کی پیرانہ سالی اور بیماری کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ان کی ساری زندگی کی مختلف حالتوں اور مختلف ادوار کے ساتھ مربوط ہے۔والدین کی خدمت اور حسن سلوک کے تعلق سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ بیٹوں ہی پر والدین کی خدمت واجب ہے اس سے بیٹیاں مستثنیٰ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔والدین ضعیف ہوں یا صحت مند، ان کی خدمت وکفالت بیٹوں کی طرح بیٹیوں پر بھی ان کی استطاعت کے مطابق واجب ہے۔

والدین کی خدمت مشترک خاندان میں رہتے ہوئے کی جائے یا جداگانہ، منفرد گھر میں صرف اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے کی جائے، دونوں حالتوں میں اولاد پر ان کی خدمت و کفالت واجب ہے۔والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وجہ سے عمر میں اضافہ ہوجاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں یہ بشارت ہے۔ولا یزید العمر الا فی برالوالدین ۔قضاوقدر کو کوئی چیز بدل نہیں سکتی لیکن ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کی وجہ سے عمر بڑھا دی جاتی ہے یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت سے بظاہر ٹکراتی معلوم ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ۔اذاجاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون۔کسی انسان کی موت اس کے مقررہ وقت ہی پر آتی ہے جس میں ایک لمحہ تاخیر یا تقدیم نہیں ہوتی ۔بعض اہل قلم نے عمر کی درازی کو خیر وبرکت قرار دیا ہے، والدین کی خدمت کرنے والے بیٹے کے تمام امور ومعاملات میں خیر وبرکت رکھ دی جاتی ہے۔بعض اہل علم سے درازی عمر سے ذکر خیر مراد لیا ہے کہ ایسے بیٹے کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس کا ذکر خیر لوگوں کی زبانوں پر بھلائی کے ساتھ جاری وساری رہتا ہے۔بعض اہل علم نے درازی عمر سے اصل عمر کے اندر ہی زیادتی مراد لی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کے فضل وکرم کا نتیجہ ہوتا ہے۔اس کی تائید قرآن کریم کی آیت طیبہ سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے۔یمحو الله مایشآء و یثبت و عنده ام الکتاب۔ اُم الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے حالات اور واقعات کو اللہ نے ایک مناسب شکل وصورت اور قدر کے ساتھ موجود رکھا ہے۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ہر انسان کی عمر اور اس کا رزق متعین اور مقرر ہے۔اور اس کے سعادت مند ہونے یا بدبخت ہونے کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں سے جو چاہیں مٹا سکتے ہیں اور جو چاہے باقی رکھ سکتے ہیں۔حضرت ابن عباس کی مذکورہ تفسیر کی تائید ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔ان الله یحکم ما یرید وانه علیٰ ما یشآ قدیر

استاذی المحترم حضرت مولانا سید شاہ حمید اشرف کچھوچھوی خواہر زادۂ حضور محدث اعظم علیہ الرحمۃ کچھوچھوی نے

اپنے ایک مضمون صدقہ کی فضیلت واہمیت مطبوعہ سالنامہ اللطیف1968ءمیں یہ قصہ نقل کیا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت داؤدعلیہ السلام کے پاس ملک الموت عزرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے ایک نوجوان آیا حضرت داؤدعلیہ السلام نے اس خوبصورت اور نیک سیرت نوجوان کی بڑی تعریف وتوصیف کی۔یہ سن کر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا آپ کا یہ ارشاد بجا ہے،لیکن اب اس نوجوان کی عمر پوری ہوچکی ہے اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ سات دن گزرنے کے بعد اس کی روح قبض کرلی جائے گی۔اس صالح نوجوان کی موت کی خبر سن کر حضرت داؤدعلیہ السلام کو بڑا صدمہ اور رنج ہوا ایک ہفتہ گزرنے کے بعد حضرت داؤدعلیہ السلام نے دیکھا کہ وہی نوجوان زندہ اور صحیح سلامت ہے اور ان کے پاس آرہا ہے تو انہیں بڑا تعجب ہوا،پھر دل ہی دل میں سوچا کہ شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔حضرت عزرائیل نے سات دن یا سات سال کہا ہوگا۔پھر جب حضرت عزرائیل سے حضرت داؤدعلیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت ملک الموت نے حضرت داؤدعلیہ السلام کو بتلایا کہ اس نوجوان کی عمر فی الوقع ایک ہی ہفتہ تھی لیکن اس نے موت سے ایک دن پہلے فقراء اور مساکین کو صدقہ کیا۔فقراء نے اس کے لئے دعا کی جس کی برکت سے اللہ نے اس کی سات دن کی عمر کو سات سال سے بدل دیا۔ان اللہ یحکم ما یرید۔اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتے ہیں حکم صادر فرماتے ہیں۔وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں دعا کرنے سے آدمی کی عمر بڑھادی جاتی ہے۔لا یرد والقضاء الاالدعا ۔قضا وقدر میں تبدیلی نہیں ہوگی لیکن دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تقدیر کو بدل دیتے ہیں جیسا کہ سیاق کے واقعہ سے واضح ہے۔

اس مقام پر ایک اور حدیث سے تھوڑی سی گفتگو تقدیر کے حوالہ سے مفید ہوسکتی ہے۔وہ حدیث یہ ہے کہ۔قد جف القلم۔قلم تو سوکھ چکا اب تقدیر میں کوئی تبدیل نہیں اس کی تطبیق یہ ہے کہ تقدیر دو طرح کی ہے۔ایک تقدیر معلق دوسری تقدیر متبرم۔تقدیر معلق کے اعتبار سے تبدیلی ممکن ہے۔اور تقدیر مبرم کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تبدیلی فرشتوں کے علم کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں عمل کی وجہ سے بندہ کی عمر میں اضافہ ہوا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے اسکی عمر مشروط تھی کہ اگر بندے نے فلاں عمل کیا تو اسکی مقررہ عمر میں اضافہ ہوگا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ تقدیر میں کوئی حکم خاص شرط کے ساتھ معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی گئی تو یہ حکم بھی نہیں رہتا۔اور پھر یہ شرط تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے اور نہیں لکھی ہوئی بھی ہوتی ہے اس لئے جب کسی حکم یا واقعہ میں تبدیلی ہوتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ بندہ وہ عمل کرے گا یا نہیں کرے گا۔لہذ اللہ تعالیٰ کے علم لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں اور یہی تقدیر مبرم ہے۔اور فرشتوں کے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہوئی اور یہی تقدیر معلق ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الغرض تقدیر کا مسئلہ انتہائی دقیق اور بہت ہی نازک ہے۔ ولا یزید العمر الا فی برالوالدین (عمر میں اضافہ نہیں ہوگا مگر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے عمر بڑھادی جائے گی) والی حدیث کی مناسبت سے قدرے تشریح کی گئی ہے۔ لہذا ہمیں یہ ایمان اور اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جو بھی ہماری زندگی میں پیش آچکا ہے اور پیش آنے والا ہے وہ قضاوقدر کی وجہ سے ہے اور اس مسئلے میں غور وفکر اور بحث وگفتگو سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اس خاندان کی دوسری خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں رہنے والوں میں سے کسی ایک شخص کی آمدنی قلیل ہو اور وہ کثیر العیال ہو تو اس کی بیوی بچوں کے خورد ونوش کا مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔ بمقابلہ اسکے کہ وہ شخص تنہا صرف اپنی فیملی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ مشترک دسترخوان پر سب مل بیٹھ کر کھانے پینے میں منجانب اللہ بڑی برکت وکشادگی ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگوں کا مشاہدہ اور تجربہ بھی ہے کہ دس آدمی کے کھانے کی مقدار میں پندرہ آدمی سیراب ہوکر کھاتے ہیں۔ خیر وبرکت اور کشادگی وسعت کا پہلو صرف خورد ونوش تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان تمام اشخاص کی کمائی اور آمدنی میں بھی وسعت اور برکت شامل ہو جاتی ہے، جن کے روپیوں اور پیسوں سے گھر کی دیگر ضروریات اور حاجات پوری ہوتی رہتی ہیں، اس لئے کہ ایسے خرچ میں حسن سلوک، صدقہ اور صلہ رحمی کی نیکی داخل اور شامل ہو جاتی ہے

امام ابوداؤد کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے۔ لو یعلم ابن آدم ثواب صلة الرحمةلما کان یاکل لقمة طعام و لا یشرب جرعة ماء حتی یطعم رحمه۔ اگر ایک مسلمان یہ بات جان لے کہ اپنے بھائیوں و بہنوں اور عزیزوں ورشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے پر کس قدر اجر وثواب ملنے والا ہے تو وہ کھانے کا ایک لقمہ اور پانی کا ایک گھونٹ بھی اپنے حلق کے نیچے نہیں اتارے گا جب تک کہ وہ اپنے بھائیوں و بہنوں اور عزیزوں ورشتہ داروں کو کھلا اور پلا نہ لے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلوا رحمکم ولو قطعوکم واقضوا حواجهم ولو هجروکم فان حبل الرحم موصلة بید الرحمن۔ اپنے بھائیوں، بہنوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتے رہو، اگرچہ کہ وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے ہوں اور ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرتے رہو اگرچہ کہ وہ تمہارے سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے ہوں۔ بے شک رحم کی رسی رحمٰن کے ہاتھ سے ملی ہوئی ہے۔ یعنی جب تک تم اپنے رشتہ داروں پر رحم کرتے رہوگے تو رحمٰن بھی تم پر رحم کرے گا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے کچھ رشتہ دار اور قرابت دار ہیں جن کے ساتھ میں حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ تعلق توڑتے ہیں، پھر بھی میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کی دل آزار اور فتنہ انگیز باتوں کو سن کر برداشت کر لیتا ہوں، پھر بھی وہ میرے ساتھ جہالت کی باتیں نہیں چھوڑتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و

سلم نے یہ سن کر فرمایا۔ بات ایسی ہی ہے جیسی تم نے کی ہے تو گویا تم نے ان کے چہروں کو خاک آلود کر دیا، یعنی وہ خود ہی ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ اور جب تک تم اعراض وصبر کی اس حالت پر برقرار رہو گے تو ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ تمہارے لئے ایک مددگار رہے گا یعنی انکے مقابلہ میں تمہارے لئے ہمیشہ اللہ کی نصرت اور مدد ملتی رہے گی۔

امام مسلم نے حضرت جبیر بن مطعم کے حوالہ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قطع رحم کرنے والا یعنی رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

مشترکہ خاندانوں میں عموماً اور اکثر یہ بات پیش آتی رہتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کرتے ہیں اور اپنے قول وعمل سے برا سلوک کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ حدیث ملحوظ نظر رہنی چاہئے کہ تمہارے رشتہ دار تمہارے ساتھ برا سلوک کریں تب بھی تمہیں ان کے ساتھ جہاں تک ہو سکے اچھا سلوک کریں۔ اس کردار کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر صبر وحلم اور وسعت ذہنی وقلبی جیسی صفات موجود ہوں ورنہ ایسی نظیر ملنی مشکل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے تعلق سے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ صدقہ ایک اجنبی اور غیر رشتہ دار کو دینے میں ایک اجر وثواب ہے اور وہی صدقہ اپنے بھائیوں بہنوں اور رشتہ داروں کو دینے میں دو اجر ہیں ایک صدقہ کا ثواب دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ ایک دوسری حدیث سے بھی اس پہلو کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف لفظوں میں یہ ہدایت دی ہے کہ اپنے صدقات وخیرات کی شروعات اپنے خاندان سے کرو ان لوگوں سے کرو جو تمہاری کفالت میں اور تمہارے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہوں۔

مشترک خاندان میں جو شخص بھی اہل خاندان کے اوپر مساویانہ خرچ کے علاوہ بھی مزید روپیہ پیسہ خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ اور صلہ رحمی کے خانہ میں جمع ہو کر آخرت میں اجر وثواب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ نیکی دنیاوی اعتبار سے بھی اسکی آمدنی اور کمائی میں کشادگی وزیادتی کا سبب بن جاتی ہے اور اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ ومن احب ان یبسط له فی رزقه و ینشأفی اثره فلیصل رحمه۔ جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسکے رزق میں کشادگی اور وسعت ہو اسکے قدم کے نشانات زمین کے اوپر پڑتے رہیں تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ مذکورہ حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ جس آدمی کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ زمانے تک اسکے پیروں کے نشانات، زمین پر پڑتے رہیں گے اور اس کے مرنے کے بعد نشانات، قدم بھی مٹ جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ قدموں کے نشانات میں تاخیر کئے جانے سے عمر کی درازی مراد ہے۔ عمر میں اضافہ نہ کسی جہت سے ممکن ہے اسکی وضاحت سیاق میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بحث میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بھی درازی عمر کے اشکال کا ازالہ تحصیل حاصل ہوگا۔

مشترکہ خاندان میں رہنے والے افراد کے درمیان باہمی محبت والفت، ہمدردی وخیر خواہی، ایثار وقربانی، صلی رحمی

اورخدمت کا جذبہ موجود رہنے کی صورت ہی میں یہ گھریلو نظام مضبوط اور مستحکم رہ سکتا ہے ورنہ وہ بہت جلد انتشار اور پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔مشترک خاندان کا سب سے زیادہ اہم ترین اور نازک و دشوار مسئلہ افراد کی آمدنی اور خرچ سے جڑا رہتا ہے۔ایک بھائی کی آمدنی زیادہ رہتی ہے تو دوسرے بھائی کی آمدنی کم رہتی ہے اور ایک بھائی کے بچے زیادہ رہتے ہیں تو دوسرے بھائی کے بچے کم رہتے ہیں اور ہر ماہ سبھی بھائی متعین و مساوی برابر رقم جمع کرنے میں اس بھائی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس کی آمدنی زیادہ رہتی ہے۔لیکن اس بھائی کو بڑی تکلیف ہوگی جسکی آمدنی قلیل ہوگی۔رقم کے جمع ہونے میں کمی و بیشی اور اس پہلو کو لے کر بھائیوں کے درمیان بحث و تکرار ہی اختلاف و انتشار اور خاندان کے بکھرنے اور ٹوٹنے کا سبب ہے۔آمدنی جمع کرنے کے مسئلہ میں عدم توازن کو برداشت کر لینے ہی میں خاندان کا تحفظ ہے،ایسی حالت میں آمدنی والے بھائیوں کو وسعت قلبی اور اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے کم آمدنی والے بھائیوں کے حصہ میں اپنی رقم شامل کر دینا چاہئے ایسے بھائیوں کو اس زائد رقم کا بہترین صلہ و بدلہ عنداللہ آخرت میں حاصل ہوگا کیونکہ ان کا یہ خرچ صلہ رحمی اور صدقہ کی شکل اختیار کر جائے گا۔

اس مقام پر ایک فقہی اور وراثتی مسئلہ کی وضاحت بے محل نہ ہوگی۔جب آمدنی اور خرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی جائیداد اور دیگر چیزوں میں سبھی بھائی برابر کے حقدار ہوں گے۔سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھی نے برابر مساوی رقم جمع کی اور ایک بھائی اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا،دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

اس مقام پر داماد اور بہو سے متعلق تھوڑی سی وضاحت ضروری اور مفید معلوم ہوتی ہے کہ جن کے اثرات خاندان پر مرتب ہوتے ہیں۔اسلام میں نکاح ایک ایسا حکم اور قانون ہے جس کے منعقد ہوتے ہی خاندانی نظام کی شروعات ہو جاتی ہے۔شادی بیاہ کے ذریعہ سب سے قریبی رشتہ جو وجود میں آتا ہے وہ داماد اور بہو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔داماد کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ بیوی کے والدین اور رشتہ دار و قرابت داروں کے ساتھ مستحسن رویہ اختیار کرے اور ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے،نکاح کے بعد شوہر کے لئے بیوی کے رشتہ دار بھی اسکے رشتہ دار بن جاتے ہیں۔اپنے رشتہ داروں کو ایک نگاہ سے دیکھنا اور بیوی کے رشتہ داروں کو دوسری نگاہ سے دیکھنا یہ غیر اخلاقی رویہ ہے اور یہی طریقہ دونوں خاندانوں کے درمیان اختلاف اور فساد کا پیش خیمہ ہوتا ہے،اور خود زوجین کے درمیان بھی الجھنیں اور پیچیدگی اور اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔اسی طرح بہو کی اخلاقی و شرعی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرے۔شادی کے بعد بیوی کے لئے بھی شوہر کے رشتہ دار اسکے رشتہ دار بن جاتے ہیں بلکہ شوہر کے رشتہ دار ہی بہو کی زندگی بھر اصل قرابت دار ہوتے ہیں،اسکے والدین اور رشتہ

داروں سے دھیرے دھیرے گزرتے وقت کے ساتھ دوری ہوتی چلی جاتی ہے اوراس کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد کا حسب ونسب بھی شوہراوراسکے باپ دادا سے قائم اور ثابت ہوتا ہے۔اورایک بہو کے لئے شوہر کا گھر ہی دراصل اس کا گھرہے جس کے اندر قدم رکھنے کے بعد اپنی ساری زندگی اسی چار دیواری میں گزار دیتی ہے۔ایسی صورت میں بہو کی بڑی ذمہ داری اوراخلاقی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی ممکنہ قوت وطاقت کے مطابق اپنے گھر کی حفاظت وصیانت میں موثر ومفید اور تعمیری کردار ادا کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے دونوں خاندان کی تباہی اور جگ ہنسی کا سبب بن جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے رشتہ داروں کے حسن سلوک فرماتے تھے اور تحفہ روانہ فرماتے اوران کے ساتھ محبت والفت اوراحترام واکرام کا معاملہ فرماتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال میں بعض غیر مسلم تھے لیکن ان کے ساتھ بھی آپ کوئی امتیازی رویہ اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ حسن خلق حسن سلوک اور داد ودھش کا طریقہ اپناتے تھے۔

نکاح کے بعد داماد کی ایک شرعی حیثیت یہ متعین ہوتی ہے کہ وہ ساس سسر کے لئے بیٹے کی طرح ہے۔ساس اور خسر کے دل میں اسکے ساتھ بھی ایسی ہی محبت والفت ہونی چاہئے جیسے اپنے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے۔اور ساس ماں تو اسکے حق میں ایک ماں ہی قرار پاتی ہے، جس کے بعد ساس کے ساتھ کسی حالت میں بھی نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔

بہو سسرال میں ایک اجنبی نہیں بلکہ وہ اس گھر کے لئے ایک بنیادی اوراساسی اینٹ کی طرح ہے،اور وہی اس خاندان میں بقائے نسل کی ضامن اور محافظہ ہوتی ہے اور مستقبل میں اسی گھر کی مالکہ اور متصرفہ ہو جاتی ہے۔لیکن اکثر خاندانوں میں شعور وتعلیم کے باوجود آج بھی ساس بہو ایک دوسرے کے لئے منفی اور متضاد کردار ہے۔جن کے درمیان اجنبیت وغیریت اور منافرت کی دیواریں کھڑی نظر آتی ہیں۔اورایک طرف سے رحم وکرم اور شفقت والفت نہیں تو دوسری طرف سے تعظیم وتکریم اورادب واحترام نہیں اس صورت حال کا یہ نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ مشترک خاندان کے بطن سے منفرد وجداگانہ خاندان وجود میں آرہا ہے۔

مشترکہ خاندان سے متعلق مادی اور شرعی نقطہ نظر سے کچھ غیر مفید اور نقصاندہ پہلو بھی ہیں۔اس خاندانی نظام میں تمام افراد مل کر گھر کا بجٹ چلاتے ہیں ان میں سے کسی زائد آمدنی والے فرد کی پونجی وکمائی کسی قدر زیادہ ہی خرچ ہونے لگتی ہے۔ظاہر ہے کہ اس مادہ پرست دور میں ہر کسی کو اپنی محنت کی گاڑی کمائی دوسروں پر خرچ ہونے لگے تو وہ بھلی نظر نہیں آتی ہے بھلے سے یہ روپیہ پیسہ صلہ رحمی اور صدقہ ہی میں صرف کیوں نہ ہو رہا ہو۔یہ بات اس فرد اوراس کی بیوی اور بچوں کو بھی اچھی اور بھلی نہیں لگتی اور یہ احساس سب کے اندر جاگ اٹھتا ہے کہ اس طرح سے ہمارا سرمایہ ختم ہونے لگے تو ہمارا مستقبل کیا ہوگا، یہ سوچ وفکر ایک الگ تھلگ خاندان کی بنیاد بن جاتی ہے جس میں صرف بیوی بچے رہیں۔

مشترک خاندان میں شرعی پردہ کا اہتمام اور انتظام انتہائی مشکل مرحلہ ہے بالخصوص ان گھروں میں جو چھوٹے چھوٹے ہوں اور ان میں اکثر افراد زندگی بسر کرتے ہوں تو اس بے پردگی اور بے حجابی کے باعث بہت خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے افراد خاندان کے درمیان بدگمانیوں اور تہمتوں اور الزامات کا سلسلہ چل پڑتا ہے اور یہی سلسلہ باہمی نفرت وعداوت اور مخاصمت تک پہنچا دیتا ہے۔ایسے مخلوط گھرانہ میں بھابی اور دیور کے اور بھائیوں کی جواں سال لڑکیوں اور لڑکوں کا ایک گھر میں ایک ساتھ رہنے سہنے سے بھی کئی ایک بدگمانیوں، برائیوں اور بداخلاقیوں کے پیدا ہونے کے قوی امکانات موجود ہیں اور موجودہ زمانے میں ایسے ہی برے اور خراب حالات پیدا ہونے لگے ہیں جس کی وجہ سے مشترک خاندان کے مقابلہ میں تنہا جداگانہ منفرد خاندان ہی بہتر معلوم ہوتا ہے،لیکن مشترک خاندان ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک ضرورت بھی ہے اور مجبوری۔اگر کسی نوجوان کو معاشی آسودگی حاصل ہے تو اسکے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ نکاح کے بعد بیوی کی خوراک وپوشاک اور مکان کا علیحدہ انتظام کرے اور یہی شریعت مطہرہ کا حکم بھی ہے۔منفرد وجداگانہ گھر بسانے کے بعد وہ اپنے والدین کے حقوق کو ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے تو اسکی زندگی والدین کی خدمت کی وجہ سے خوشگوار اور پرسکون بسر ہوسکتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے اللہ کی رضا وخوشنودی والدین کی رضا میں چھپی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے کے لئے والدین کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔آج منفرد خاندانوں کی زیادتی ضعیف وبیمار اور بوڑھے والدین کی زندگی کے لئے خطرہ اور مشکل بنتی چلی جارہی ہے۔کہیں ہندوستانی معاشرہ بھی مغربی سماج کی صورت میں نہ ڈھل جائے جہاں بوڑھے والدین کو اولاد اپنے گھر میں نہیں رکھتی بلکہ انہیں سرکاری گھروں میں چھوڑ آتی ہیں ،جہاں حکومت کی طرف سے ان کی دیکھ بھال اور خورد ونوش اور دوا دارو کا نظم ونسق رہتا ہے۔ان کی اولاد کبھی کبھار والدین سے ملنے کے لئے ان کے سرکاری گھروں تک پہنچتی ہے۔والدین کی زندگی کے یہی وہ آخری ایام ہیں جن میں انہیں اولاد کا ساتھ اور ان کی خدمت اور ان کے سہارے کی سخت ضرورت ہوتی ہے،لیکن تنہائی اور اکیلے پن اور اپنے خاندان سے دوری مجبوری کی حالت میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کی یاد میں روتے روتے زندگی کی آخری سانس لیتے ہیں اور اس وقت بھی اولاد ان کے آخری دیدار کے لئے پہنچ نہیں پاتی حالانکہ یہی ماں باپ تھے جنہوں نے اپنا خون جگر پلا کر انہیں پالا پوسا اور جوان کیا تھا،اسی صورت حال کے تحفظ کی خاطر اسلام نے، والدین کے تعلق سے یہ وصیت کی ہے کہ جس آدمی کے ضعیف ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہو اور وہ ان کی خدمت اور دیکھ بھال نہ کرتے ہوئے جنت اور خدا کی رضا کھودے تو وہ بڑا بدنصیب ہے اپنی دنیا میں اور اپنی آخرت میں۔العیاذ باللہ

موجودہ زمانے میں مشترک خاندان بکھر رہے ہیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آج کل کی مغربی رجحانات سے متاثر جدید تعلیم یافتہ بہورانیوں کے لئے ساس وخسر اور بڑوں کی ماتحتی وتابعداری اور قدیم خاندانی روایتوں اور رسموں پر عمل پیرا

گھروں میں زندگی گزارنا اور سب کے ساتھ مل کر رہنا سوہان روح بن چکا ہے۔اور وہ صرف اپنے شوہروں اور بچوں سمیت زندگی بسر کرنے کے خواہاں اور جو ہاں رہتی ہیں اور اسکے لئے ممکنہ وسائل خواہ وہ جائز ہوں یا ناروا ہوں، اختیار کرنے لگی ہیں جسکی وجہ سے مشترک خاندانوں میں آئے دن نت نئے مسائل کھڑے ہورہے ہیں اور پیچیدگیاں پیدا ہورہی ہیں۔والدین اور بھائیوں میں اختلافات پیدا ہونے لگے ہیں اور خون کے رشتے بکھرنے اور ٹوٹنے لگے ہیں۔محبتیں اور الفتیں ختم ہورہی ہیں اور نفرتیں اور عداوتیں بڑھ رہی ہیں۔اس صورت حال کے پیدا ہونے میں بڑی حد تک بہو کے اوپر سسرال والوں کی بے جا پابندیوں، سختیوں اور ناقابل برداشت مطالبات کا دخل بھی ہے

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

موجودہ زمانے میں طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ منفرد جداگانہ خاندان بھی کئی ایک برائیوں اور خرابیوں کا شکار ہیں، رشتہ داروں سے دوریاں بڑھ رہی ہیں دوستوں سے نزدیکیاں بڑھ رہی ہیں۔بچے بچیاں اپنے بزرگوں کی پند ونصائح سے محروم ہورہی ہیں، نئی پود اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاقیات سے نابلد اور ناآشنا ہوتی جارہی ہے۔اس علمی و دینی اور اخلاقی و اخروی نقصانات کی تلافی کی فکر دور دور تک نہیں ہے۔اولاد کی شادی بیاہ کے مسئلہ میں کفو، حسب، دین اور اخلاق تو حاشیۂ ذہن ہی سے نکل چکے ہیں، اعلیٰ ترین عصری تعلیم، دولت وثروت اور عالیشان خوبصورت مکانات ہی نکاح کی اساس اور بنیاد ہیں۔رشتہ طئے ہونے میں جتنی سرعت اور جلدی دیکھنے میں آرہی ہے اتنی ہی سرعت وجلدی میں رشتے ٹوٹتے نظر آرہی ہیں، چھوٹی چھوٹی سی اختلافی باتوں پر ایک طرف سے طلاق دی جارہی ہے، دوسری طرف سے خلع نامہ طلب کیا جارہا ہے۔شرعی جماعتوں اور قاضیوں کی طرف مقدمات لئے جانے کے بجائے عدالتوں کی طرف رخ کیا جارہا ہے۔اور حکومت وقت اور عدالت عالیہ کو موقع فراہم کردیا جارہا ہے کہ طلاق، خلع اور حلالہ وغیرہ جیسے دینی وفقہی مسائل میں غیر اسلامی اور غیر جمہوری اقدامات کرے۔اب وقت آچکا ہے کہ مسلمانان ہند اپنی اصلاح آپ کی فکر کرتے ہوئے شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کا عزم اور عمل کا مظاہرہ کریں۔

وما علینا الا البلاغ

جواہر القرآن

رزق قرآن کے آئینہ میں

ازمولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

رزق ایک ایسی شئی ہے جو انسان کے دنیا میں آنے کے بعد سے لے کر اسکی موت تک ساتھ رہتی ہے۔ رزق ہر وہ شئی ہے جس سے انسان اپنی غذا حاصل کرے، اور جس کے ذریعہ اس کے جسم اور روح کو نشو نما، ارتقاء اور بقا حاصل ہو۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی کے لئے نان کی کتنی اہمیت، ضرورت اور افادیت ہے، شیخ سعدی نے عمدہ بات کہی ہے ، نان برائے زندگی است نہ کہ زندگی برائے نان۔ روٹی زندگی کے واسطے ہے نہ کہ زندگی روٹی کے واسطے۔ لیکن موجودہ دور اس کے برعکس نظر آرہا ہے۔ آج ہر کس و ناکس کی زندگی کا مقصد ہی روٹی ہے اور اس غلط نظریہ اور عمل کی وجہ سے زندگی سکون و آرام، صحت و عافیت اور لذت و سرور سے قریب قریب محروم ہو چکی ہے۔

قرآن کریم میں رزق کے حوالہ سے کئی آیتیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے رزق کی مختلف اور متعدد جہتیں اور سمتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ سورۃ ہود میں کہا گیا ہے۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا ویعلم مستقرھا و مستودعھا کل فی کتب مبین۔ اور کوئی رزق کھانے والا جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں، کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو، اور وہ ہر ایک کے مستقل رہنے کی جگہ کو، اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب چیزیں کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں درج ہیں۔

رزق کے دو پہلو ہیں، ایک تقدیری، دوسرا تدبیری، دراصل یہ دوسرا پہلو بھی تقدیر اور قدر ہی سے منسلک ہے۔ سورۃ شوریٰ میں کہا گیا ہے۔ لہ مقالید السموٰت والارض یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر انہ بکل شئی علیم۔ آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور اختیار میں ہیں وہ جس شخص کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہے روزی کم دیتا ہے اور وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ کس کے لئے کیا مصلحت ہے اور کس کے لئے کیا بہتر ہے اور کس کے لئے کیا بہتر نہیں ہیں، چنانچہ بقرہ میں کہا گیا ہے۔ عسیٰ ان تکرھو اشیاو ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبو اشیآء ھو شر لکم واللہ لعلم و انتم لا تعلمون۔ اس آیت کا تعلق اگر چہ کہ جہاد سے ہے لیکن اس کے مفہوم میں

عمومیت اور وسعت کی گنجائش ہے۔کوئی آدمی اپنے لئے کسی چیز کو بری اور مضر سمجھتا ہے لیکن در پردہ وہی چیز اسکے لئے بھلی اور مفید ہوتی ہے اور کوئی آدمی اپنے لئے کسی چیز کو بھلی اور مفید سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہی چیز اسکے لئے بری اور مضر ہوتی ہے۔کونسی چیز کس کے حق میں مفید ہے یا مضر ہے اسکا علم اللہ ہی کو ہے۔انسان کو پورا پورا علم نہیں ہے۔

رزق کے تقدیری پہلو کی صراحت اور وضاحت احادیث میں بھی ملتی ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی پیدائش سے قبل ہی چار چیزیں اس کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔ایک اسکا عمل جو کچھ کہ وہ دنیا میں کرے گا، دوسری چیز اس کی عمر، تیسری چیز اسکی موت کہاں ہوگی اور وہ کس جگہ دفن ہوگا اور چوتھی چیز اسکا رزق کہ اسکو کتنا اور کس طریقہ سے پہنچے گا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہے۔

مذکورہ دو حدیثوں سے واضح ہے کہ ہر بندہ کا رزق اور اس تک پہنچنے کے طریقے اور رزق کی مقدار اور نوعیت ساری چیزیں آدمی کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی طئے کردی گئی ہیں۔صاحب تفسیر خازن رقم طراز ہیں۔کل ذلك مثبت في اللوح المحفوظ قبل خلقها۔ لوح محفوظ میں مخلوقات کی عمر، روزی اور عمل وغیرہ کی تفصیل، ان کی پیدائش سے قبل ہی درج کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے اور وہ مخلوق کی پیدائش سے لے کر موت تک کی قیام گاہوں سے خوب واقف ہے۔ہر ایک کو اسی قدر اور مقدار میں روزی اسباب اور بغیر اسباب کے پہچانے والا ہے۔اور نہ صرف انسان بلکہ خشکی وتری کے تمام جانداروں حشرات الارض کے رزق کی کفالت از راہ رحمت خود اپنے اوپر واجب کر لیا ہے اور انسانوں کے دلوں میں اپنی رزاقیت پر اعتماد، توکل اور بھروسہ ویقین پیدا کرنے کے لئے الا على الله رزقها، لفظ علی کا استعمال کیا ہے جو فرائض وواجبات کے لئے مستعمل ہے۔

حضرات انبیائے کرام کا اللہ پر جس درجہ کا یقین وایقان اور ایمان ہوتا ہے یہ صرف ان ہی کی شان اور ان ہی کی خصوصیت ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان حضرات سے بعض ایسے واقعات ظاہر فرماتا ہے جن میں امتیوں کے لئے ایک تعلیم وتدریس اور سبق ہوتا ہے۔صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے بعد مصر جانے کا حکم دیا گیا تو بتقاضائے بشریت آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں اپنی بیوی کو جنگل و بیابان میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں اسکے رزق کا کون متکفل ہوگا۔اسی وقت اللہ نے آپ کو حکم دیا، اے موسیٰ اپنے سامنے والے پتھر کی چٹان پر عصا ماریں، آپ نے حکم کی تعمیل کی، چٹان پھٹ پڑی۔اور اس کے اندر سے ایک

اور چٹان نمودار ہوئی، حکم ملا اس پر بھی عصا ماریں، آپ نے دوسری چٹان پر بھی ضرب لگائی اور وہ بھی پھٹ پڑی اور اس کے اندر سے تیسری چٹان برآمد ہوئی اس پر بھی عصا مارنے کا حکم ہوا تو آپ نے اس پر بھی ایک ضرب لگائی جس سے یہ بھی شق ہوگئی اور اس کے اندر ایک جانور نظر آیا جس کے منہ میں مکئی جیسی چیز تھی جو اس کے لئے غذا کا کام دے رہی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا، وہ جانور اللہ کی تسبیح بیان کرر ہا ہے۔ سبحان من یرانی و یسمع کلامی و یعرف مکانی ویذکرنی ولا ینسانی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بے عیب ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے، میری فریاد سن رہا ہے، اور میری قیام گاہ کو جانتا ہے، مجھے یاد رکھتا ہے اور مجھے نہیں بھلاتا۔

اللہ کی ذات اور اس کی رزاقیت اور اسکی نعمتوں کی تقسیم پر یقین کامل اور توکل ایمان کا ایک اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ کے فضل ہی سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے، حضرات صوفیہ کو اس کا وافر حصہ ملا۔ اسکی نظیر قدوۃ السالکین حضرت ابوالحسن قربی ویلوری قدس سرہٗ کے قول وعمل میں ملتی ہے، اپنے فارسی رسالہ خلاصۃ العرفان میں فرماتے ہیں۔

اللہ نے موجودات کی قسمت کو خواہ وہ دنیاوی معاملے ہوں، یا دینی معاملے ہوں یا آخرت کے معاملے ہوں، ہر ایک کا حساب متعین فرمادیا ہے۔ چنانچہ ہر دانے پر کھانے والے ذی روح کا نام لکھ دیا ہے۔ اور ہر عورت پر اسکے نکاح کرنے والے کا نام لکھ دیا ہے، اور ہر قطرہ پر پینے والے کا نام، اور ہر لباس پر اسکے پہننے والے کا نام اور ہر درہم و دینار پر اسکے خرچ کرنے والے کا نام اور ہر مکان اور جگہ پر اسکے رہنے والے کا نام، مثلاً ایک دیگ میں کھانا پکائیں، دانوں میں سے کوئی دانہ کسی کے نام کا دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا اور کسی نہر، حوض اور کنویں سے کوئی ایک قطرہ کسی کے حصے کا دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح تمام ذکر کی ہوئی چیزیں اور دنیا و آخرت کے امور ہر ایک مرد عورت کے نام سے مقرر ہیں، اور ہر چیز کی کامیابی وقت کے ساتھ مربوط ہے، جب وقت آئے گا تو خود کامیاب ہو جاؤ گے۔ اسلئے کہ ہر ایک کا حصہ بہر حال اُس کو پہنچنا ہی ہے اگر چہ کہ وہ پہاڑ کے نیچے ہی کیوں نہ رہتا ہو، اور اللہ تعالیٰ قدر اور یقین کے حساب کے دائرہ سے ایک چیز بھی باہر نہیں، لوگ چیزوں کو وقت سے پہلے طلب کرتے ہیں اور اپنے مقسوم سے زیادہ طلب کرتے ہیں، ان کا غموں میں مبتلا ہونے کا سبب صرف یہی ہے۔

سورۃ زخرف کی آیت میں کہا گیا ہے کہ۔ نحن قسمنا بینھم معیشھم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض۔ ہم لوگوں کے درمیان دنیاوی زندگی میں ان کے اسباب معشیت کو تقسیم کرتے ہیں، اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر وسائل وذرائع اور دولت وثروت میں درجات کی فوقیت دیتے ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے رزق میں مساوی حیثیت نہیں ہے، کسی کو فقر میں مبتلا کیا جاتا ہے تو کسی کو غنا سے سرفراز کیا

جاتا ہے۔اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لئے روزی میں کشادگی اور فراخی کر دیتا تو سارے لوگ مغرور وسرکش ہو جاتے، ظاہر بات ہے کہ اگر دولت کی فراوانی ہو جائے اور ہر کس و ناکس کے پاس مال جمع ہو جائے تو مال کی ضرورت اور احتیاج کسی شخص کو کسی شخص سے باقی نہیں رہتی، اور کوئی کسی کا کام نہیں کرتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے کسی کو امیر اور کسی کو غریب بنادیا، تاکہ جانبین سے ایک دوسرے کے محتاج رہیں اور دنیا کے کاروبار چلتے رہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں، اور دونوں کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری ہوتی رہیں۔ مثلاً کوئی صاحب، دولت مند ہوں اور وہ کارخانہ قائم کرنا چاہیں تو وہ اس سمت میں ایک قدم بھی اٹھا نہیں سکتے، جب تک کہ ان کو ماہرین فنون اور غریب ومزدور طبقہ کی مدد حاصل نہ ہو جائے۔اس طرح ماہرین فنون اور غریب ومزدور طبقہ بھی اپنی روزی روٹی کے معاملہ میں سرمایہ دار و مالدار طبقہ سے بے نیاز اور بے تعلق نہیں رہ سکتا، جیسا کہ سورۃ شوریٰ کی آیت میں کہا گیا ہے۔ ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا في الارض ولـكـن ينـزل بقدر مايشآء انه بعباده خبير بصير۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے لئے روزی کشادہ کردے تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرنے لگیں، لیکن وہ ضروریات کے اندازے کے ساتھ جتنی روزی چاہتا ہے عطا کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی ضرورتوں سے خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ لوگوں کے رزق میں کمی و زیادتی اور کثرت وقلت ہی تمام انسانوں کے لئے خیر و بھلائی ہے، ورنہ یہ زمین میں فساد پھیل جائے گا۔

سورۃ طلاق کی آیت میں کہا گیا ہے۔ و من يتق الله يجعل له مخرجاً و يرزقه من حيث لا يحيث و من يتو كل علـى الـله فهو حسبه ،ان الله بالغ امره ،قد جعل الله لكل شي قدير۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت کے رنج وغم سے نکلنے کی راہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کی مشکلوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہے پورا کر کے رہتا ہے، اس نے ہر شئے کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اس آیت میں رزق کا تقدیری پہلو یہ ہے اس نے ہر شئے کی قدر و مقدار طئے کر رکھی ہے۔ ان الـلـه بالغ امره قد جعل الـلـه لـكـل شي قدرا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہے پورا کر کے رہتا ہے۔ اس عمومیت میں بندے کے رزق کو داخل کرنے سے آیت کے معنی اور مفہوم میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے، اور اس آیت میں رزق کا تدبیری پہلو یہ ہے کہ۔ مـــن يتـو كـل عـلـى الله فهو حسبه۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اس کے لئے کافی ہے یہی کفایت اُس کے رزق کی کفالت ہے۔ سادہ لوح افراد اور بے علم و عمل زاہدین و متوکلین نے توکل کا معنی و مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ روزی اور روٹی کے معاملہ میں محنت وکسب اور کوشش وطلب کی چنداں ضرورت نہیں، صرف اللہ پر توکل کافی ہے، وہی اپنی جانب سے رزق پہنچاتا رہے گا۔ یہ توکل کی غلط اور عامیانہ تشریح ہے۔ تدبیر توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ توکل ہی کا ایک حصہ ہے۔ دست بکار و دل

بیار، ہاتھ کام میں رہے اور دل یار کے (اللہ تعالیٰ) ساتھ رہے۔ آدمی رزق کے وسائل اور ذرائع اختیار کرے اور محنت و ریاضت اور سعی و کوشش کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ مال و اسباب اور دولت و ثروت کو جمع کرے لیکن اپنی دولت پر اعتماد نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرے، یہی توکل کا معنی اور مفہوم ہے، ترک اسباب کا نام توکل نہیں، اسباب پر اعتماد و بھروسہ نہ کرنے کا نام توکل ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز جید عالم باعمل زاہد و متقی ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے دولت مند اور تجارت پیشہ بزرگ بھی تھے۔ انہوں نے کبھی اپنی دولت پر اعتماد و توکل نہیں کیا، بلکہ اللہ کی ذات پر اعتماد و توکل کیا۔ حضرت شیخ کی زندگی کا بہت مشہور واقعہ ہے، آپ اپنے مریدین و معتقدین کی مجلس میں رونق افروز تھے کہ آپ کو خبر یہ دی گئی کہ جو جہاز آپ کا سامانِ تجارت لے کر گیا تھا وہ ڈوب گیا اور سب مال تباہ ہوگیا۔ یہ خبر سن کر آپ نے فرمایا الحمدللہ۔ اس اطلاع کے بعد دوبارہ آپ کو خبر دی گئی کہ پہلی اطلاع غلط ہے، اب معلوم ہوا کہ آپ کا جہاز صحیح و سالم خوب منافع اور فوائد لے کر واپس ہوا ہے۔ یہ سن آپ نے الحمدللہ کہا۔ غم اور خوشی دونوں خبر سن کر آپ کی زبان سے الحمدللہ کا جملہ صدور پذیر ہوا تو حاضرین کو اس بات پر الجھن پیدا ہوگئی کہ غم کی خبر سننے کے بعد آپ نے الحمدللہ کا جملہ کیوں فرمایا۔ ایک مرید نے آپ سے عرض کیا، غم کی خبر سن کر آپ کا الحمدللہ کہنا یہ ہماری سمجھ میں نہ آسکا۔ اس سوال پر آپ نے فرمایا، جب مجھے نقصان کی خبر ملی تو میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس خبر کا اثر میرے دل پر کسی درجہ میں نہیں ہوا، اور جب وہ مغموم و مایوس نہیں ہے تو قلب کی اس کیفیت و حالت پر میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ مجھے نفع کی خبر ملی تو اس وقت بھی میں نے اپنے قلب کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میرے دل پر اس خوشی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا، اور وہ مسرور نہیں ہے، ہر دو حالت میں دل اللہ کی جانب راغب اور مائل رہا۔ اس نعمت پر میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ دست بکار و دل بیار، جسم دنیا کی خوشی اور غم میں تو شریک رہے لیکن دل اپنے خالق کی یاد میں ڈوبا رہے۔

توکل کا ایک اعلیٰ ترین مقام بھی ہے جس پر فائز ہونے کے بعد ایک مومن کامل کی نظریں اسباب اور ذرائع کی طرف سے ہٹ جاتی ہے، اور اس کی تمام تر قلبی توجہ صرف اور صرف اللہ کی ذات پر مرکوز رہتی ہے۔ ایسے ہی بندۂ فانی اور باقی کے لئے بغیر ظاہری اسباب کے روزی پہنچ جاتی ہے۔ امام قرطبی نے ابوموسیٰ اور ابو مالک وغیرہ قبیلہ اشعر بیئن کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو جو کچھ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان تھا وہ ختم ہوگیا، انہوں نے اپنا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ آپ ان کے لئے کھانے پینے کا کچھ انتظام کریں۔ یہ شخص جب نبی کریم کے گھر پہنچا تو دروازہ بند تھا، اندر سے آواز آرہی تھی آپ یہ آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ ومــا مــن

دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ اس شخص کو یہ آیت سن کر خیال آیا کہ جب اللہ نے سب جانداروں کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے تو پھر ہم قبیلہ اشعرئین کے یہ لوگ اللہ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے تو نہیں ہیں، وہ ضرور ہمیں بھی رزق بھیجے گا۔ یہ خیال کرتے ہوئے وہیں سے واپس ہوگیا۔ اور نبی کریم سے کھانا مانگنے کا خیال ذہن سے نکال دیا، اور آپ کو کچھ بتلائے بغیر گھر کے باہر ہی سے واپس چلا گیا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر صرف اتنا کہہ دیا کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے مدد آئے گی۔

اس کے ساتھیوں نے یہ سمجھا کہ اس نے نبی کریم سے ہماری حاجت و ضرورت بیان کر دی ہے وہ سب مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد دو آدمی گوشت اور روٹیوں سے بھرے برتن اٹھا لائے، تو سب لوگ سیراب ہو کر کھائے اور پیئے۔ پھر بھی بہت سارا گوشت اور روٹیاں بچ گئیں، تو لوگوں نے فیصلہ کیا، کھانے پینے کی یہ چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی جائے تو مناسب ہوگا تا کہ آپ اوروں کی ضرورت میں صرف کر دیں گے۔ چنانچہ دو آدمی یہ کھانا لئے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا روانہ کردہ کھانا نہایت لذیذ و نفیس اور کافی مقدار میں تھا، ہم خوب سیر ہو کر کھائے اور پیئے۔ تشکر و امتنان کے لہجہ میں یہ ساری باتیں کہیں، تو آپؐ نے فرمایا میں نے تو آپ لوگوں کو کوئی کھانا نہیں بھیجا، اس وقت پہلی مرتبہ کھانا طلب کرنے والے صاحب جن کو حضور اکرم کی خدمت میں بھیجا گیا تو انہوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ رزق اُس ذاتِ اقدس نے بھیجا ہے جس نے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی اس کیف اور شان کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر تم بھی اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے، تو وہ ضرور تم کو بھی ویسا ہی رزق دیتا جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح سویرے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس آتے ہیں۔

حاصل کلام! رزق کسب و محنت سے حاصل ہوتا ہے اور اتنا ہی حاصل ہوتا ہے جتنا مقسوم میں ہوتا ہے اور مقسوم حصہ خود ہی آدمی کو تلاش اور طلب کرتے ہوئے پہنچ جاتا ہے جیسے اس کی موت اس کو طلب کر کے پہنچ جاتی ہے۔ ان الرزق لیطلب العبد کما یطلبه اجله

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

جواھر الحدیث

(مال حدیث کے آئینہ میں)

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی

استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

مال ومتاع کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہیں جن کی روشنی میں یہ معلوم کرلیا جائے کہ آپؐ نے مال و دولت کے باب میں اپنی امت کو کیا کیا احکام بتلائے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں مال ودولت کی ضرورت واہمیت مسلّم رہی ہے اور کسی ذی شعور انسان نے مال ودولت کی نفع رسانی اور فیض بخشی سے انکار نہیں کیا ہے۔ مال و دولت اس قدر ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر کوئی آدمی زندگی گزار نہیں سکتا، زندگی کی ہر منزل پر مال کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایسی صورت میں بھلا کون ایسا شخص ہوگا جو مال ودولت کی طرف سے بے اعتنائی اور بے توجہی کا مظاہرہ کرے اور اسے شجر ممنوعہ کہہ دے۔ دنیا میں ہزاروں حضراتِ انبیاء تشریف لائے اور انہوں نے اپنی امتوں کو زندگی کے موضوع پر کئی ایک حقیقتوں سے روشناس کروایا۔ لیکن کسی پیغمبر نے بھی مال ودولت حاصل کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے منع نہیں کیا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے مال ودولت کو زندگی کا مقصد قرار دینے سے منع کیا اور یہ بات ذہن نشین کروائی کہ مال برائے زندگی، نہ کہ زندگی برائے مال۔ قرآن کریم نے مال و دولت کے مختلف ومتضاد اور مثبت اور منفی پہلوؤں کی صراحتیں کردی ہے اور اس کے مثبت پہلو کو اس قدر روشن اور منور کردیا کہ مال و دولت انسانیت کی بقا کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ واموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری معشیت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ قرآن نے انسانی تاریخ کے ایک ایسے دور میں یہ بات کہی ہے جو اپنے دامن میں مال و دولت حاصل کرنے کے مختلف اور گوناگوں وسائل اور ذرائع نہیں رکھتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں تحصیل مال کے ذرائع اور وسائل کی کثرت اور ان کی افادیت نے قرآنی آیت کی تائید کردی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان مبارک ہے۔ ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کو درہم و دنیار سے جس قدر فائدہ

حاصل ہوگا اس قدر کسی اور چیز سے نہیں ہوگا۔

حضرت مقدام ابن معدی کرب ایک صحابی رسول ہیں جن کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہمیں ملتی ہے، جس میں مال و دولت کی نفع رسانی کے علاوہ مزید دو تین باتوں پر روشنی ملتی ہے۔۔۔

مذکورہ صحابی کے پاس ایک خادمہ تھی جوان کے جانور کا دودھ دھوتی اور فروخت کرتی، اور اس کی قیمت اُن تک پہنچاتی تھی۔اس زمانے میں دودھ فروخت کرنے کی عادت نہ تھی جس کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ میں ایک نئی چیز دکھائی دے رہی تھی اور ہر کسی کو تعجب ہو رہا تھا کہ حضرت مقدام عجیب وغریب کام کر رہے ہیں، بھلا دودھ بھی کوئی فروخت کرنے کی چیز ہے۔اُس وقت کے سماج میں دودھ کو اپنے متعلقین، مسافرین، پڑوسیوں اور ضرورت مندوں کو مفت بلا قیمت، ہدیہ وصدقہ وثواب کے طور پر دینے کی عام عادت تھی۔عہد صحابہ ہی میں نہیں بلکہ اسکے بعد آنے والے کئی صدیوں تک دودھ کی یہی حیثیت برقرار رہی، اور نہ ہی کسی کا ذہن دودھ کے فروخت اور خرید کی طرف متوجہ رہا۔ہمارے ملک ہندوستان کے اندر بھی بالخصوص دیہاتوں اور قریوں میں صدیوں تک یہ بات عام رہی کہ لوگ اپنے پڑوسیوں، مسافروں اور ضرورت مندوں کو دودھ مفت دیا کرتے تھے۔لیکن اب یہ روایت و حکایت دم توڑ چکی ہے، اب تو ہر جگہ پانی بھی فروخت ہونے لگا، جسے عام طور پر صدیوں سے لوگوں کو پلانے اور طلب کرنے پر مفت دیا جارہا تھا اور اس کام کو خدمت خلق اور نیکی و بھلائی تصور کیا جارہا تھا۔الحمدللہ اب بھی کسی درجہ میں لوگوں کے اندر پانی پلانے کی فکر زندہ ہے، اور بالخصوص موسم گرما میں راستہ چلنے والوں کو ٹھنڈا پانی پلانے کی روش برقرار ہے۔احادیث شریف میں بھی مخلوق کو پانی فراہم کرنے کے عمل کو کار خیر اور صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان بھی مخلوق کے لئے پانی کا بندوبست کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کی موت کے بعد اس کی قبر میں نفع دیتا رہے گا۔مذکورہ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔اللہ کے رسولؐ میری والدہ انتقال کرگئی ہے اُن کی خدمت کے لئے کیا عمل کیا جاسکتا ہے۔آپؐ نے ارشاد فرمایا، الماء پانی، چنانچہ حضرت سعد نے ایک ایسے علاقہ میں جہاں پانی کی شدید قلت تھی، کنواں کھدوایا۔

الغرض حضرت مقدام کا دودھ سے متعلق تجارتی طریقہ لوگوں کے درمیان جب موضوع گفتگو بن گیا تو اس وقت آپ نے لوگوں کو یہ حدیث سنائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عن قریب ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں لوگوں کو درہم و دینار کے سوا کوئی چیز نفع نہ دے گی، اور اس وقت میں یہی درہم و دینار کی موجودگی لوگوں کو حرام میں مبتلا ہونے سے

محفوظ رکھے گی اوران کو دوسروں کے اموال میں حرص وطمع کرنے سے روک دے گی۔

اور میں اس لئے دودھ فروخت کر رہا ہوں کہ اس آمدنی سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرسکوں اور مجھے درہم ودینار کی ضرورت ہے،اور مجھے ایسا کرنے میں حرج نہیں اور یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔

اس حدیث میں قابل غور ایک پہلو یہ ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس مال ودولت نہ ہو تو وہ پوری طرح سے فقیر اور مفلس ہو جائے تو وہ اپنی ضروریات اور اپنے اہل وعیال کی حاجتوں کو پوری کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقوں سے مال حاصل کرسکتا ہے،جیسا کہ آج ہمارے معاشرہ میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ بعض مجبور اور تنگ دست آدمی اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سودی قرض لے رہا ہے یا ناجائز اور حرام طریقہ سے مال حاصل کررہا ہے۔ یہ تباہ کن صورتحال اس لئے پیدا ہوئی کہ اس شخص کے پاس بقدر ضرورت مال ومتاع موجود نہیں ہے۔

حدیث کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس مال ومتاع اور دولت وسرمایہ بقدر ضرورت موجود اور محفوظ ہے تو یہی مال اس آدمی کو حرام میں واقع ہونے سے محفوظ رکھے گا اور ایسا آدمی دوسروں کے مال اور اسباب کی طرف حرص وطمع اور لالچ بھری نظروں سے نہیں دیکھے گا اور کسی کے مال پر حسد کرنے سے محفوظ رہے گا۔ یہ اخلاقیات آدمی کے اندر مال ودولت کی وجہ سے نظر آئیں گی۔

حضرت سفیان ثوری ایک مشہور تابعی ہیں جن کے دور کو حدیث میں بہترین زمانہ کہا گیا ہے۔ اسکے بعد کے آنے والے زمانوں کو بدترین ادوار قرار دیا گیا ہے لیکن حضرت سفیان ثوری کی دوربین نگاہوں نے خیر القرون کے زمانہ ہی میں ان نشانیوں اور علامتوں کا مشاہدہ کرلیا جن کا تعلق آنے والے زمانوں کے ساتھ ہے۔ حضرت سفیان نوری نے مال ودولت کی تحصیل اور اس کی حفاظت اور اس کی ترقی اور وسعت سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے یہاں پیش ہیں۔

گذشتہ زمانے میں مال ومتاع کو مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں لوگوں کا شعار زہد وقناعت تھا۔ لیکن موجودہ زمانے میں قناعت اور زھد کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ گیا ہے اور آج آدمی پر کئی ضرورتیں اور حاجتیں غالب آگئی ہیں۔ روزی حاصل کرنے کے لئے مالداروں کے دروازہ پر جا کر ذلت وخواری اٹھانی پڑتی ہے۔ لہذا آدمی کو اپنی ضرورتوں اور اپنی بیوی بچوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مال ومتاع حاصل کرنا اور اسکو محفوظ رکھنا اور محتاط طریقہ پر خرچ کرنا نہایت ضروری ہے۔ مال مومن آدمی کے لئے ایک سپر اور ڈھال ہے جس سے وہ حوادث اور مصائب کی تیروں کی تکلیف وآزار سے امان میں رہتا ہے۔ اور

وہ امراء وسلاطین کے دروازوں پر جانے سے مستغنی اور بے نیاز رہتا ہے۔اگر ہمارے پاس درہم ودینار نہ رہیں تو یقیناً یہ مالدار لوگ ہمیں ذلیل وحقیر خیال کریں گے۔مومن کو چاہیئے کہ اگر اس کے پاس کچھ بھی مال ومتاع ہے تو اس کی اصلاح کرے، ترتیب دے اور ترقی دے۔اسلئے کہ یہ ایسا زمانہ ہے اگر آدمی محتاج اور تنگ دست ہو جائے گا تو وہ سب سے پہلے دین کو دنیا کے بدلے ہاتھ سے دے دیگا۔مومن کو اس حلال مال میں اسراف اور فضول نہیں کرنا چاہیئے اور اسکو پوری طرح سے محفوظ رکھنا چاہیئے اور بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنا چاہیئے تا کہ مال اس کے پاس کچھ عرصہ تک باقی رہے اور اس کے دین اور اس کی دنیا کے لئے تقویت کا سبب ہو سکے۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے ایک ایسی حدیث نقل کی ہے جس کی روشنی میں مال کی افادیت اور اس کی عدم افادیت، صاحب مال کی نیت سے ہوگی۔جو کوئی بھی دنیا کے مال ومتاع کو حلال اور جائز طریقہ سے حاصل کرے گا اور اُس کی یہ نیت ہوگی کہ میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہ سکوں اور اپنے اہل وعیال کو کھلا پلا سکوں اور ان کی جائز ضرورتوں کو پورا کر سکوں۔اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن وسلوک کر سکوں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکوں تو وہ شخص اللہ کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

اور جو کوئی بھی مال ومتاع کو صرف دنیا کے لئے حاصل کرے گا بھلے حلال طریقہ ہی پر کیوں نہ ہو، اور وہ شخص مال ودولت کی کثرت پر تکبر کرنے والا ہو، اور نیک کاموں میں ریا کاری اور شہرت وعزت حاصل کرنے والا ہو تو وہ اللہ کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صالح نیت سے حلال مال باعث فضیلت وبرکت ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔اور جو مال فاسد نیت اور گناہ وظلم کے ارادہ سے حاصل کیا گیا ہے تو اسکا انجام بھی برا ہوگا۔

من طلب الدنیا حلالاً استعفا فاً من الاسئلة ۔وسعیاً علی اهله و تعطفاً علی جاره،لقی الله یوم القیامة و وجهه مثل القمر لیلة البدر،ومن طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفا خراً مرائیاً لقی الله تعالیٰ وهو علیه غضبان(بهیقی)

مال ودولت کا جمع کرنا کوئی مذموم فعل نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک پسندیدہ اور محمود فعل ہے۔اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے۔والذین یکنزون الذهب و الفضة یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ کو فکر وتشویش لاحق ہوگئی۔سونا چاندی کا جمع کرنا ناجائز قرار پائے تو بہت سی دقتوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔یہ خیال انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ظاہر کیا تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں جا پہنچے اور اس صورت حال کو بیان کیا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ لم یفرض الذکوۃ الا لیطیب ما بقی اموالکم و انما فرض المواریث و ذکر کلمۃ لتکون لمن بعد کم فکبّر عمر

اللہ تعالیٰ نے زکوۃ فرض اسلیئے کی ہے کہ تمہارے پاس جمع شدہ مال و دولت اور سونے چاندی کو زکوۃ کے ذریعہ پاک وصاف کردے۔ اور مواریث اسلیئے فرض کئے کہ تمہاری وفات کے بعد تمہارے وارثوں میں مال و دولت (ترکہ، میت کا چھوڑا ہوا مال ومتاع) تقسیم ہو، اگر مطلق مال کا جمع کرنا حرام ہوتا تو زکوۃ کا حکم اور میراث (ترکہ کی تقسیم) کا حکم اپنے اندر کیا معنی رکھتا؟ مال و دولت کا جمع کرنا اس وقت حرام ہوگا جب اس مال کی زکوۃ نہ دی جائے اور ترکہ کی تقسیم ہے ہی اسلیئے کہ تمہارے جمع شدہ مال سے تمہارے بعد والوں کو نفع حاصل ہو سکے۔ مجلس نبوی میں حاضر باش صحابہ کرام کو شرح صدور حاصل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔

حدیث میں مال ومتاع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان اپنی بیوی بچوں کو فقر وافلاس کے حوالہ نہ کرے اور وہ دنیا سے جاتے وقت اپنے پیچھے مال ومتاع چھوڑ دے تاکہ وہ کسی کے دست نگر اور محتاج نہ رہیں اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کریں۔ اپنی اولاد کو غریبی ومفلسی کی حالت میں چھوڑنے سے کہیں زیادہ بہتر یہی ہے کہ باپ ان کو امیری اور خوشحالی میں چھوڑ کر دنیا سے چلا جائے۔ انك ان تـذرور ثتك أغنياء خير من أتذرهم عالة يتكففون الناس۔

اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے کہ تم جو کچھ اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتے ہو اس پر تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس پر بھی تم کو اللہ کے پاس اجر ملتا ہے۔ اس جملہ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ہر عمل خیر اللہ کی خوشنودی کے لئے انجام دیا جائے تو اللہ کے پاس اسکا اجر وثواب ملتا ہے۔

ولست تنفق تبتغی بها وجه الله اِلا اُجرت بها حتى اللقمة تجعلها فی فی امراتك۔ اسی حدیث کے مثل دوسری حدیث ہے جس میں مال و دولت کو اہل وعیال پر خرچ کرنے کی ترغیب اور تلقین ہے جس کی روایت امام بخاری اور امام مسلم نے کی ہے۔ اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو حالت مرض میں یہ احساس ہوا کہ میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں چنانچہ ان کی بیماری کے ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مزاج پرسی کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت انہوں نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس میرے پاس مال بہت زیادہ ہے اور میرے ذوی فروض وارثین میں صرف میری ایک بیٹی ہے۔کیا میں اپنے سب مال کی وصیت کردوں، آپؐ نے فرمایا نہیں۔پھر میں نے عرض کیا۔یارسول اللہ! نصف مال کی وصیت کردوں، فرمایانہیں۔پھر میں نے عرض کیا ایک تہائی مال کی وصیت کردوں تو آپؐ نے فرمایاہاں! ایک تہائی مال کی وصیت کردو۔اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا۔

انك ان تـذر ورثتك اغنيـاء خيـر مـن ان تـذرهـم عالةً يتكففون الناس و انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الااجرتها حتى اللقمة ترفعها الى في امراتك۔

تم اپنے وارثین کوامیری اور مالداری کی حالت میں چھوڑو۔یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تم ان کومحتاجی و غریبی کی حالت میں چھوڑ جاؤ، اور وہ لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلائیں۔بے شک تم جو چیز بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کروگے تو تمہیں اس کا ثواب دیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نوالہ جسے تم اپنے ہاتھ سے بیوی کو کھلاتے ہو۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنے کی بہ نسبت اپنے اہل وعیال پر خرچ میں زیادہ ثواب ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا دنیا کے ہر کام کواللہ کی رضا کے لئے کیا جائے تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا، شرط یہ ہے کہ وہ کام جائز ہو، حرام نہ ہو۔

احادیث میں مال ودولت کومختلف لوگوں پر خرچ کرنے کی اجازت اورگنجائش ہے لیکن اولیت کے مستحق اور حقدار وہ ہیں جو اس آدمی کی کفالت و پرورش میں ہوں اور اس کے ماتحت ہوں اور اس کے رشتہ دار ہوں ۔ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کسی اجنبی شخص کوصدقہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ احسان و بھلائی کرتا ہے تو ایک ثواب ہے لیکن وہی صدقہ اور احسان و بھلائی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کرتا ہے تو دواجر ہیں۔ایک صدقہ کا ثواب دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔الصدقة على ذى الرحم صدقة و صلةابدأبمن تعول

امام مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک روپیہ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، اور ایک وہ روپیہ جو تم کسی غریب پر خرچ کرتے ہو، اور وہ ایک روپیہ جو تم اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہو۔ ان سب میں وہ روپیہ اجر وثواب کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہے جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔

دينـار أنفقته فى سبيل الله، و دينار أنفقته فى رقبه و دينار تصدقت به على مسكين، و دينار انفقته على اهلك اعظمها اجرا الذى انفقته على اهلك۔

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روپیوں اور پیسوں کو افضل ترین قرار دیا ہے جو گھر والوں پر خرچ ہو رہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ خرچ جائز ضروریات ہی میں رہے۔ ناجائز کاموں اور اسراف وفضول خرچی میں جو روپے خرچ ہوں گے وہ اس فضیلت اور اجر کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

مال ودولت کے خرچ میں یہ پہلو غیر مستحسن ہے کہ آدمی جو بھی مال ہے سب کا سب صدقہ میں بانٹ دے بلکہ مستحسن صدقہ وہی ہے کہ آدمی اپنی خوشحالی اور غنا کو برقرار رکھتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ پس انداز کرتے ہوئے زائد مال ودولت کو تقسیم کردے۔ چنانچہ اس حدیث میں اس پہلو کی نشاندھی کی گئی۔ خیر صدقة ما كان عن ظهر غنى و ابدابمن تعول۔

اس حدیث کا ایک عملی نمونہ حضرت عمر بن خطاب کی زندگی میں ہمیں ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرات صحابہ سے فرمایا تم لوگ غزوہ کے مصارف اور ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ اور اشیاء وغیرہ جمع کردو۔ تو آپ کے فرمان پر صحابہ کرام نے اپنی اپنی جانب ساز وسامان اور گھریلو اشیاء وغیرہ کا انبار لگا دیا۔ اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سارا مال نذر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی کثرت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اے عمر اپنی بیوی بچوں کے لئے کچھ چھوڑ رکھے ہو یا نہیں؟ عرض کیا ان کی ضرورتوں کے لئے نصف مال رکھ آیا ہوں اور نصف مال راہِ خدا میں پیش کر رہا ہوں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ عدیم المثال کردار پیش کیا کہ وہ اپنے گھر کا کل اثاثہ اور پونجی لاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپؐ نے مال کی اس غیر معمولی وسعت اور کثرت کو دیکھتے ہوئے پوچھا، اے ابوبکر اپنی بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ لائے ہو یا نہیں؟ جواب دیا، ان کے لئے اللہ اور اُسکے رسول کافی ہیں۔ حضرت ابوبکر کا یہ عمل ان کے ایمان کامل وتوکل کامل، جذبہ قربانی وفداکاری اور ایثار کا مظہر ہے۔ اگر کسی صاحب ایمان کے اندر حد درجہ توکل اور ایثار ہو اور وہ بھی ایسا عملی نمونہ پیش کردے تو یہ صحابی رسول کی سنت اور ان کے اثر پر عمل ہوگا۔

یہی کردار وعمل خانوادۂ نبوت کے فرد یگانہ امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کی زندگی میں نظر آتا ہے وہ بھی اپنے گھر میں مال ودولت جمع ہی نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پاس جس قدر بھی روپیہ پیسہ آتا وہ سب ضرورت مندوں میں بانٹ دیا کرتے تھے اور یہ آپ کی عادت ثانیہ رہی۔ اسی کا اثر تھا کہ ان دنوں میں بھی آپ سے یہ عادت چھوٹ نہ سکی جن دنوں میں حکومت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کے اخراجات کے لئے ایک خطیر رقم پہنچتی رہتی تھی لیکن آپ حسب عادت فقراء ومساکین میں یہ رقم تقسیم کرتے رہے۔ یہ خبر دمشق میں حضرت معاویہؓ کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے آپ کو خط بھیجا جس میں یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔ لاخیر فی

اسراف۔اسراف میں خیر نہیں ۔امام حسن نے حضرت معاویہ کو اسکا جواب دیا۔لا اسراف فی خیر۔خیر میں اسراف نہیں۔خیر و بھلائی میں مال جس قدر بھی خرچ کیا جائے اسے اسراف نہیں کہتے۔

امام حسن کے برادرزادے امام زین العابدین بھی نمونۂ عم محترم رہے۔آپ مدینہ منورہ میں رات کے اندھیرے میں اپنے کندھوں پر غلہ واناج کی تھیلی اٹھاتے ہوئے مقررہ غریبوں کے گھر جاتے ،سامان کی تھیلی دروازہ پر رکھ کر واپس نکل جاتے ۔صبح کے وقت لوگ اپنے گھر کے سامنے غلہ کی تھیلی کو دیکھ کر اٹھا لیتے اور یہی سمجھتے تھے کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو اپنے صدقہ کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔اس خیال نے غریبوں کو پوشیدہ صدقہ کی تفتیش سے باز رکھا، یہاں تک کہ امام زین العابدین کا وصال ہوا تو غریبوں نے اپنے گھروں کے سامنے رات کے اندھیرے میں غلہ کی تھیلی رکھی ہوئی نہیں دیکھی ۔اس وقت یہ راز ظاہر ہوا کہ مخفی طور پر رات کی تاریکی میں غلہ کی تھیلیاں غریبوں کے گھر پہنچانے والا کوئی اور نہیں وہ امام زین العابدین کی شخصیت تھی۔آپ کی سیرت وسوانح میں درج ہے کہ امام عالی مقام کو غسل دیتے وقت بدن مبارک کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ سامان اٹھاتے اٹھاتے اُن کی پشت پر نشان پڑ چکے تھے۔

حضرت معاویہ اور امام حسن کے درمیان ہونے والی خط وکتابت میں ایک بحث یہ ہے کہ نیکی و بھلائی اور خیر کے کاموں میں زیادہ مال خرچ کرنا کیسا ہے؟ حضرت معاویہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آدمی کو صدقات وخیرات اور دیگر نیک کاموں میں اپنا مال محدود اور محتاط طریقہ پر دینا چاہئے ،تاکہ اس کے پاس مال کی کچھ مقدار موجود رہے جس سے وہ اپنی ضرورتوں اور دوسروں کے حقوق کو پورا کر سکے،اسکے برعکس پورا مال بانٹ دینا بھی ایک طرح سے اسراف ہے جس میں خیر نہیں۔

امام حسن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آدمی صدقات وخیرات اور نیک کاموں میں سارا مال بھی لٹادے تو یہ اسراف نہیں، خیر ہی ہے۔

حضرت معاویہ کا نقطہ نظر حضرت عمر بن خطاب کے طرز عمل سے مطابقت رکھتا ہے ۔چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عمر نے اپنے مال کو اپنی ضرورت کے قدر و لحاظ سے رکھتے ہوئے باقی مال کو اللہ کی راہ میں دے دیا۔امام حسن کا نقطہ نظر حضرت ابوبکر صدیق کے طرز عمل سے موافقت رکھتا ہے چنانچہ تبوک ہی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مال سے کچھ پس انداز کئے بغیر سب مال راہ خدا میں دے دیا۔

الغرض حضرت معاویہ اور امام حسن دونوں کا موقف باہم جداگانہ ہونے کے باوجود دونوں کا موقف مبنی بر صواب ہے لہذا جس شخص کا میلان ورحجان زیادہ تر معشیت و مدنیت اور مادیت کی طرف ہو تو وہ حضرت معاویہ

کے نظریہ پر عمل کرسکتا ہے اور جس شخص کا میلان ورجحان زیادہ تر روحانیت اور آخرت کی طرف ہوتو وہ امام حسن کے نظریہ پر عمل کرسکتا ہے۔ اور یہ دونوں پہلوامت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

ان دونوں حضرات کرام حضرت معاویہ وامام حسن کے خط میں ایک لفظ اسراف ہے جسکی طرف بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے تو مفید ہوگا۔ شریعت مطہرہ میں فضول خرچی کی سخت ممانعت ہے۔ اور اسکے لئے دولفظ مستعمل ہیں۔ ایک اسراف دوسرا تبذیر، بعض اہل علم کے نزدیک یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں، مال کو بے موقع و بے محل اور بے انتہا خرچ کرنا، یاکسی گناہ میں خرچ کرنا، یہ تبذیر اور اسراف ہے۔

بعض اہل علم کے نزدیک کسی گناہ میں مال خرچ کرنا، یا بے موقع، بے محل اور بے انتہا مال خرچ کرنا یہ تبذیر ہے۔ خرچ کے جائز مواقع میں ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنا یہ بھی اسراف ہے۔ اسراف کے مقابلہ میں تبذیر سخت گناہ ہے۔ قرآن کریم نے مبذرین کو شیاطین کے بھائی قرار دیا ہے۔ ان المبذرین کانو اخوان الشیاطین۔ حضرت مجاہد نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کردے تو وہ تبذیر نہیں ہے۔ اور اگر ایک روپیہ بھی باطل راستہ میں خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے۔

امام قرطبی نے یہ وضاحت کی ہے کہ حرام وناجائز کام میں ایک درہم بھی خرچ کرنا تبذیر ہے۔ اور حلال و جائز کام اور خواہشات میں بے انتہا مال خرچنا، جس سے خرچ کرنے والا شخص آئندہ محتاج اور فقیر ہوجانے کا اندازہ ہوتو یہ بھی تبذیر ہے۔ امام مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ غریب ومفلس صحابہ کرام حاضر ہوئے اور آپؐ سے عرض کیا، یارسول اللہ اصحابِ دولت ہم سے بازی لے گئے، وہی جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ یہ سن کر آپؐ نے سبب پوچھا تو ان حضرات کرام نے کہا، بدنی عبادتوں نماز وروزہ وغیرہ میں ہم اور ہمارے مالدار ساتھی سب شریک ہیں، لیکن مالی عبادتوں میں وہی ممتاز و مخصوص ہیں، صدقات وہی کرتے ہیں اور زکوۃ وہی ادا کرتے ہیں، ہم تو نہیں کرپاتے، ہمارے پاس اس قدر مال ودولت ہے نہیں۔ یہ گفتگو سننے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان صحابہ کرام کو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ، الحمدللہ، اللہ اکبر پڑھنے کی ہدایت دی اور یہ فرمایا، اس وظیفہ کی برکت سے تم لوگ بھی اپنے مالدار ساتھیوں کے درجے کو پالوگے، جوتم سے سبقت لے گئے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد پھر وہی غریب صحابہ بارگاہِ نبوی میں آپہنچے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کردیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی۔ ذلك فضل الله يؤ تيه من يشآء۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ جسے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غنا اور امیری بھی اللہ کا فضل اور نعمت ہے، اور یہ اس کی تقسیم ہے وہ جس کو چاہے امیر بنا دے اور جس کو چاہے فقیر بنا دے۔ ایک غنی شخص مالی عبادتوں کے ساتھ بدنی عبادتوں کے ذریعہ سے اجر وثواب حاصل کر لے تو یہ اس کے لئے ایک گونہ فضیلت ہے۔

اس حدیث سے یہ مفہوم سامنے آ رہا ہے کہ ایک غنی شخص اپنی مالی عبادتوں اور بدنی عبادتوں کی وجہ سے ایک فقیر آدمی پر فضیلت رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فقر کے مقابلہ میں غنا کو فضیلت حاصل ہے، اور جس فقیر کے اندر صبر ہو اور جس غنی کے اندر شکر ہو یہ دونوں اپنی اپنی جگہ صاحب فضیلت وکرامت ہیں۔ لیکن ان دونوں میں افضلیت اور برتری کسے حاصل ہے اس پہلو سے اہل علم کے درمیان دو رائے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک غنی شاکر افضل ہے اور اسکی افضلیت وبرتری کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات سے صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اغنیاء کے بارے میں زبانِ نبوت نے فرمایا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشآء

بعض علماء کے نزدیک فقیر صابر افضل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے فقیر کا لفظ پسند فرمایا، اور اپنی زندگی فقر سے آراستہ رہنے کی دعا مانگی۔ الهم احيني مسكينا

یہ دونوں موقف عمومی طور مطلق صحیح نہیں ہو سکتے، کسی شخص میں فقر کے ساتھ صبر رہنا یا غنا کے ساتھ شکر رہنا کوئی ضروری نہیں، ممکن ہے فقیر میں شکر اور غنی میں صبر ہو۔ گلستان میں ایک حکایت حضرت شیخ مصلح الدین سعدی کی آپ بیتی پر مبنی ہے۔ وہ ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد جا رہے تھے، فقر اور سفر کی وجہ سے پیروں میں جوتیاں نہیں تھیں، تیز دھوپ سے پیر جل رہے تھے، جس سے انہیں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ مسجد پہنچے تو وہاں ایک فقیر پر نظر پڑی جو دونوں ہاتھ اور پیر سے معذور تھا، اُس کی زبان سے کلماتِ شکر سن کر حضرت سعدی نے اُس شکر گزاری سے متعلق دریافت کیا تو کہا، اللہ نے میرے منہ میں زبان تو سلامت رکھی ہے، دوسرے اعضاء نہیں تو کیا غم۔ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا تم ایسے آدمی کی طرف نظر کرو جو دنیاوی مال و دولت اور اسباب میں تم سے کم تر ہے، تاکہ تمہارے پاس موجود نعمتوں کا احساس ہو اور تم اللہ کا شکر کر سکو۔ اور جو شخص دینی وعلمی اور تقویٰ ونیک عمل کی انجام دہی کے اعتبار تم سے برتر ہو، ایسے شخص کی طرف نظر کرو تاکہ تمہارے اندر اپنے عمل وعلم اور تقویٰ کی کمی وقلت کا احساس ہو، اور تم علم وعمل اور تقویٰ کے میدان میں آگے بڑھ سکو۔

الغرض فقیر صابر اور غنی شاکر ان دونوں کے درمیان افضلیت ان کے احوال وکوائف پر موقوف ہے اور یہ اللہ کے فیصلہ پر منحصر ہے کہ کس شخص کے حق میں فقر افضل ہے اور کس شخص کے حق میں غنا افضل ہے۔ اس جگہ فقر

سے متعلق جو گفتگو رہی وہ اس فقیری سے متعلق نہیں ہے، جو دست سوال دراز کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ یہاں فقر کا ایک مخصوص معنی اور مفہوم ہے اور یہ فقر کوئی مصیبت نہیں بلکہ ایک نعمت ہے۔ اسلئے فقیر کی زبان پر کلماتِ شکر ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا جس رات فقیر کو فاقہ نصیب ہو تو وہ اس کے لئے شبِ معراج ہے۔ حضرات صوفیہ کے سرخیل حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ فقیر صابر، افضل ہے یا غنی شاکر، تو آپ نے جواب میں کہا ان دونوں میں فقیر شاکر افضل ہے، یہ پہلو نہایت دقیق ہے اور یہ فقر اخص الخواص حضراتِ کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ حقیقت علامہ سر محمد اقبال قدس سرہٗ کے قلب وضمیر پر منکشف ہوئی تو وہ شعر کا لبادہ اوڑھ لی۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے خراج کی گدا ہو وہ فقیری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

امام مسلم کی نقل کردہ ایک حدیث قدسی میں مال خرچ کرنے کی ترغیب وتحریص ان لفظوں میں موجود ہے۔ یا ابن آدم انفق انفق علیک۔ آدم زادے تو مال خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ بندہ پر اللہ کے خرچ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اُس کے مال میں برکت عطا کریں گے اور آخرت میں اجر وسعادت عطا کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک بندے سے سوال فرمائیں گے۔ اے ابن آدم میں فلاں وقت بھوکا تھا، تم سے کھانا طلب کیا، لیکن تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، یہ سن کر بندہ حیران رہ جائے گا اور عرض کرے گا۔ اے پروردگار تیری ذات جل جلالہٗ، بھوک پیاس سے پاک وصاف ہے، بھلا تو کیسے بھوکا ہو سکتا ہے۔ تو اللہ جواب میں فرمائے گا، بے شک میں بھوکا پیاسا نہیں ہو سکتا، لیکن میرے ایک بھوکے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا، تو نے اسے نہیں کھلایا، اگر تو اسے کھلایا ہوتا تو آج میری عطاو بخشش سے سرفراز ہو جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اللہ نے مجھ سے فرمایا خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔ امام مسلم نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے ہر روز دو فرشتے آسمان سے زمین سے اترتے ہیں، ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے، اے اللہ مال خرچ کرنے والے کو بہترین بدلہ عطا فرما۔ دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے، اے اللہ مال خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع وبرباد کردے۔

مامن یوم یصبح العباد فیہ الاملکان ینزلان، فیقول احدھما اللھم اعط منفقاً خلفاً ویقول

الآخر الھم اعط ممسکاً تلفاً

مال کے تعلق سے ایک مختلف اور متضاد پہلو یہ ہے کہ فقیری کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔ کاد الفقران یکون کفراً۔ یہ پہلو چنداں وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ سیاق میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ مال و دولت سے آدمی گناہ معصیت اور ظلم میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ پہلو قدرے وضاحت کا محتاج ہے۔ کیونکہ بعض حدیثوں میں مال کو خیر کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس کی افادیت بیان ہوئی ہے، پھر بھلا مال فتنہ وفساد اور ظلم ومعصیت کا سبب کیونکر ہوسکتا ہے۔

مال کی کثرت اور فراوانی سے جو مفاسد پھوٹ پڑتے ہیں اور اس سے جن مظالم اور گناہوں کا صدور ہوتا ہے اس کا بڑا سبب جو رہتا ہے وہ صاحب مال کے نفس کی خباثت اور قلب کی گندگی ہوتی ہے اور وہ اپنے مال کو شر میں استعمال کرنے لگتا ہے، اور اگر صاحب مال کے نفس میں طہارت ہو قلب میں نظافت ہو تو وہ اپنے مال کو خیر میں استعمال کرنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے مال خیر کا ذریعہ یا شر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسی پہلو کی نشاندھی کی ہے، میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد جب تمہارے اوپر مال کی کثرت ہو جائے تو تمہارا حال کیا ہوگا؟۔ ایک صحابی نے حیرت وتعجب سے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا خیر سے شر پیدا ہوسکتا ہے، یعنی مال کا حاصل کرنا تو خیر ہے، پھر وہ شر کا سبب کیسے ہوسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ انہ لا یاتی الخیر بالشر۔ براہِ راست خیر اپنی ذات سے شر کا سبب نہیں بن سکتا، بلکہ کسی امر عارض اور واسطہ وذریعہ کی وجہ سے اس کو شر لاحق ہوگا، صاحب مال حرص وہوس، طمع ولالچ اسراف و تبذیر اور ظلم وتشدد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شر کا ظہور ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کی مثال دی، موسم بہار میں گھاس اور سبزے اگتے ہیں اور اُس کو زیادہ کھا لینے سے جانوروں کے پیٹ خراب ہو جاتے اور وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات مر جاتے ہیں، موسم بہار کے سبزوں اور پتوں میں بذاتِ خود کوئی ضرر اور شر نہیں، بلکہ جانوروں کے بیمار ہونے اور ہلاک ہونے کا سبب، کھانے میں ان کی حرص اور ان کا افراط ہے، مال کا بھی یہی حال ہے، بذات خود مال میں کوئی خیر وشر نہیں بلکہ خیر وشر میں اس کا استعمال شر اور خیر کو پیدا اور اضافہ کرتا ہے۔ صاحب مال نے جو مال خیر میں خرچ کیا ہے تو وہ مال باعث رحمت ہوگا اور صاحب مال نے جو مال شر میں استعمال کیا ہے تو وہ مال باعث زحمت ہوگا۔ قرآن کریم کی ایک آیت طیبہ میں بھی مال کے تعلق سے یہ کہا گیا کہ۔ یوم لا ینفع مال۔ آخرت میں مال کام نہ آئے

گا۔اور وہ کوئی نفع نہ دے گا۔حدیثوں کے ذریعہ اس کا معنی اور مفہوم یہ متعین کیا گیا ہے کہ جو مال جائز اور حلال راستے سے حاصل کیا گیا ہے اور خیر و نیکی میں خرچ اور صرف کیا گیا ہے تو وہ مال آخرت میں صاحب مال کو نفع پہنچائے گا۔اور جو مال ناجائز حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہے تو وہ مال صاحب مال کو آخرت میں نفع نہیں پہنچائے گا۔

حاصل کلام! حدیثوں میں مال کے متعدد و مختلف اور جداگانہ پہلو ہیں جن میں سے چند یہ ہیں مال خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔مالِ حلال دنیا میں رحمت و برکت ہے تو آخرت میں نجات کا سبب اور دخول جنت کا دروازہ ہے۔مال حرام سے دنیا میں بظاہر راحت و عزت ہے لیکن آخرت میں زحمت و عذاب ہے۔لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام ،جس بدن کی نشونما اور پرورش مال حرام سے ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔مال حلال کی حفاظت کرنی چاہئے اور اسے ترقی دینی چاہئے اور محتاط طریقہ سے خرچ کرنا چاہئے اور اپنی اولاد کی خوش حال زندگی کے لئے پس انداز کرنا چاہئے۔فقیری و تنگدستی سے خود بھی محفوظ رہنا چاہئے اور اپنی اولاد کو بھی تحفظ فراہم کرنا چاہئے۔مال صرف دنیا کے لئے نہیں کمانا چاہئے ،بلکہ اس کمائی میں بیوی بچوں ،رشتہ داروں ،غریبوں ،پڑوسیوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کی نیت شامل رکھنی چاہئے۔مال کی زکوۃ نکالنی چاہئے ۔صدقات و خیرات سب سے پہلے اپنے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو دینا چاہئے۔صدقات اور نیک کاموں میں مال دینے کے بعد عزت و شہرت اور تعریف کے امیدوار نہیں رہنا چاہئے ،اور صدقہ دینے کے بعد اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہئے۔مال سے خیر و نیکی کے ایسے کام انجام دینا چاہئے کہ جن کا فائدہ مخلوق ہمیشہ اٹھاتی رہے۔اور صاحب مال کو دنیا سے چلے جانے کے بعد قبر اور اسکے بعد کی منزلوں میں صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا رہے۔حدیث میں مزید دو اور چیزوں سے فائدہ حاصل ہونے کی صراحت ہے۔وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو علم پھیلانے میں صرف کرے ،اس سے بھی آخرت کی ساری منزلوں میں صاحب مال کو ثواب ملتا رہیگا ،اور آدمی اپنی اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت پر مال خرچ کرے اور انہیں نیک اور صالح بنادے تو ایسی اولاد ماں باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتی رہے تو ان کے اس عمل اور ان کے دوسرے اچھے اعمال کا ثواب والدین کو پہنچتا رہیگا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام باتوں پر عمل پیرا رہنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

نقوش طاہر

سالنامہ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ ،حضرت مکان ویلور۔کا ایک مضمون ''**معجزاتِ قرآن حکیم**'' قارئین کرام کی نذر ہے۔

ادارہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار ولا تعداد کرشموں میں سے قرآن حکیم ایک زندہ معجزہ ہے اس کی خوشبو ساری دنیا کو معطر کر چکی ہے۔جو بھی اس آبِ حیات سے سیراب ہوا مست وسرشار ہوا۔اس کی شیریں کلامی اور موثر کلمات نے ایک عالم کو محوِ عالم بنایا اور اپنے دہنِ پناہ میں لیا اور بندہ کو حق سے ہمکلامی کا شرف بخشا۔

اس شیریں کلامی کا ہی اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھٹ کھٹایا اور مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ابتداء میں اسلام لانے سے پہلے آپ در اصل دشمنِ اسلام تھے،ایک روز ننگی تلوار لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام (نعوذ باللہ من ذالک) تمام کرنے کے ناپاک ارادوں کے ساتھ جارہے تھے تو راستے میں نعیم بن عبداللہ سے معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوی اسلام لا چکے ہیں۔تو سیدھے بہن کے گھر گئے،وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔جب آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو قرآن کا پڑھنا بند کر دیا۔آپ گھر میں داخل ہو کر بہن اور بہنوی کو خوب مارا اور جب انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں اب تمہاری کوئی سختی ہمیں اس راستے سے ہٹا نہیں سکتی تو ان کے اس مصمم ارادے کو دیکھ کر آپ متاثر ہوئے اور قرآن مجید سننے کی خواہش ظاہر کی۔جب قرآن کے اجزاء آپ کے سامنے رکھے گئے تو پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ خود پکار اٹھے لا الہ الا اللہ اور سیدھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔جب اندر آنے کی اجازت ملی تو اسلام سے مشرف ہونے کا معروضہ پیش کیا جو شرف قبولیت سے نوازا گیا۔

قرآن حکیم کا ہی معجزہ تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹا ہوا جڑ گیا۔ اُس زمانہ میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جو شخص چوری کرتا اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا، چوری ہی کے جرم میں ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اور وہ چورا ہے پر درد سے بے تاب و بے قرار تھا۔ اتفاقاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گزر اُدھر سے ہوا اور آپؓ نے اُس کا حال دریافت فرمایا اور اُس کی معذرت پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر ہاتھ پر دم کیا، تو آپ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ یہ آسان نسخہ حاصل ہوا سمجھ کر پھر چوری نہ کرنا۔ مگر وہ شخص دوبارہ چوری کیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ کئی ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا مگر ہاتھ نہ جڑا۔ وہ اثر اور تاثیر کہاں آسکتی تھی؟ ایک اور مرتبہ آپ کی خدمت میں بہت ہی ندامت اور شرمندگی سے حاضر ہوا اور بعد معذرت صدقِ دل سے تائب ہو کر وعدہ کرنے پر پھر آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اُس پر دم کیا اور ہاتھ جڑ گیا۔

صاحب تذکرۃ الاولیاء ایک بزرگ کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ ایک روز اتفاقاً اُن بزرگ کے ہاتھ سے قرآن مجید چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد جب کہ ایک روز آپ کسی ضرورت کے تحت بازار سے گزر رہے تھے تو پولیس جو کسی چور کی تلاش میں اُدھر سے آ رہی تھی آپ کو گرفتار کر لی اور آپ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ آپ نے اس سزا کی پاداش پر جائزہ لیا تو آپ کو دفعتاً خیال آیا کہ فلاں روز آپ کے ہاتھ سے قرآن مجید چھوٹ کر گر گیا تھا۔ جس کی بے ادبی کے جرم میں یہ سزا بجا طور پر ملی تھی۔

قرأت کے پڑھنے کے کئی اقسام ہیں لیکن سات قسم کی قرأت نہایت ہی مشہور ہے۔ جب کوئی خوش الحان قاری لحنِ داؤدی سے قرأت پڑھتا ہے تو سننے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب کے سب مست ہو کر جھومنے لگ جاتے ہیں اور کلام اللہ کا ایک ایک لفظ دل پر اثر جاتا ہے۔

اسی طرح ایک ایک آیت کے کئی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت سرکار غوث مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ایک آیت کے چھ سے لے کر ساٹھ معنی بیان فرمائے ہیں۔ یہ صرف اہل اللہ بزرگوں کا کام ہے ورنہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ راز اور پوشیدہ باتیں کتابوں اور صحیفوں سے نہیں بلکہ اللہ والوں کے منہ سے حاصل کریں۔

انوار الازکیاء کے دیباچہ میں تحریر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کے منہ سے لے کر سینے تک کوئی بیماری نہیں آتی یہ اللہ کا خاص فضل اور قرآن حکیم کا زندہ معجزہ ہے کہ اس میں ہر مرض کی شفاء ہے۔ آیاتِ شفاء جب مختلف امراض پر پڑھ کر دم کئے جاتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی برکت سے شفاء عطا فرماتا ہے اور لا علاجوں کو بھی صحت حاصل ہوتی ہے۔ نظرِ بد، جادو، سحر، سانپ، اور بچھو کے کاٹ کے لئے بھی اکسیر اعظم

ہیں، اہل بصیرت کے لئے ہر مرض کا علاج اسی میں موجود ہے۔

قرآن مجید کا ایک اور زندہ معجزہ ملاحظہ فرمائیے:

ولوانتا میں ایک چھوٹی سی آیت ہے جو تلوار پر پڑھ کر دم کرنے سے تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ضلع ورنگل ریاستِ حیدرآباد میں موضع عرس مشہور ہے۔ آیت مذکور کے ذریعہ وہاں تاب تلّی کا علاج بآسانی ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت مریض کو لٹا دیا جاتا ہے۔ اس آیت خاص کو پڑھ کر تلوار پر دم کرنے سے تلوار کند ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں اس ننگی تلوار سے اس کے پیٹ پر مارتے ہوئے مخصوص آیت تین منٹ پڑھ کر دم کی جاتی ہے۔ یہ پورا علاج جملہ نو منٹ کا تین جمعہ تک ہوتا ہے۔ اختتام پر بفضلہٖ تعالیٰ مریض کو مکمل صحت حاصل ہوتی ہے اور بالکل یہ مرض دفع ہوتا ہے۔ جناب سید شاہ قادر محی الدین صاحب قادری جانشین حضرت مولوی ابو صالح سید شاہ احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار عرس ورنگل اور جناب ڈاکٹر سید حسن محی الدین صاحب قادری اپنے آبائی فیض کو جاری رکھتے ہوئے خدمتِ خلائق انجام دے رہے ہیں۔ اطراف واکناف دور ونزدیک سے اس علاقہ کے اکثر لوگ اپنی حاجت روائی کے لئے ان ہی حضرات کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی مراد حاصل کرتے ہیں۔ یہ فیض عام وخواص خالصتاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ یہ مظاہرہ ایک قابل دید مشاہدہ ہے۔

قرآن مجید کا ہی یہ معجزہ ہے کہ دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں انسان مرد اور عورت بچے اور بوڑھے تمام برابر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر حصہ میں روزانہ اس کی تلاوت ہوتی ہے۔ لیکن روز جمعہ تو اور زیادہ ہوتی ہے۔ خاص کر ماہِ رمضان المبارک میں تو کثرت سے لوگ اس کو پڑھتے ہیں۔ تراویح کی نماز کے لئے دنیا کے مختلف ممالک کی مساجد میں جہاں حفاظ کا انتظام ہوتا ہے تو اس ایک ماہ میں وہاں لاکھوں قرآن ختم کئے جاتے ہیں۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اس کے زیر وزبر میں کوئی فرق نہیں آیا لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے سینوں میں یہ کلام اللہ محفوظ چلا آرہا ہے۔ یہ خود ایک معجزہ اور زندۂ جاوید کارنامہ ہے کہ اتنی بڑی اور ضخیم کتاب ہونے کے باوجود بآسانی حفظ کی جاتی ہے اور سنائی جاتی ہے۔ حافظ قرآن کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور اس کے کئی پشتوں کی بخشائش ہوتی ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب شاید اس طرح سینوں میں محفوظ نہ ہو، اور نہ ہی پڑھی جاتی ہو۔ یہ تمام خوبیاں اور خصوصیتیں صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہیں۔ دنیا کی مختلف اور بے شمار زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور اس پر کثیر تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ اکثر مشہور ومعروف تفاسیر دنیا کے ہر بڑے اور چھوٹے مدارس میں پڑھائی

جاتی ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام مسائل سیاسی، مذہبی، معاشی اور وراثتی صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔یہ زرین اصول ہر مقام اور ہر زبان کے لئے صادق آتے ہیں۔اللہ کے اس کلام پاک کو پڑھ کر اکثر غیر مسلم اس کے تاثیر اور اثر سے مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے یہ ایک معجزہ ہے اور جس میں ہر عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔حق تو یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے بھی معجزے عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے اور قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو دائمی ہے۔دوسرے معجزات وقتی تھے اور ختم ہو گئے ،لیکن یہ معجزہ قیامت تک رہے گا اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں ہزار مرتبہ دیکھا اور ہر بار دریافت کیا کہ اے اللہ! تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے جو میرا کلام ہے۔پھر آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ قرآن مجید کی تلاوت دیکھ کر ہو یا بے سمجھے۔باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ چاہے قرآن کی تلاوت سمجھ کر ہو یا بے سمجھے دونوں طرح کی تلاوت قربِ الٰہی کا سبب ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ باسلسلہ تلاوت قرآن مجید کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔اس اجازت نامہ کا اثر اور تاثیر ہی کچھ اور ہوتی ہے۔انوارِ الٰہی ظاہر ہونے لگتے ہیں اور تلاوت میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔

پیغمبر آخر الزماں کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے۔دنیا میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی واحد آسمانی کتاب ہے جو تحریف سے محفوظ ہے۔جس میں آج تک ایک نقطے اور شوشے کا بھی فرق نہیں آیا۔اور نہ آسکتا ہے۔قرآن مجید کی صحت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سینکڑوں ممالک میں جن کی مادری زبانیں مختلف ہیں پڑھایا جاتا ہے۔اور کسی جگہ بھی قرآن مجید کی اصل عبارت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔یہ خصوصیت صرف دنیا میں قرآن مجید ہی کو حاصل ہے، کہ جس کی مثال آفرنیش عالم سے لے کر آج تک مفقود ہے اور اگر اُسے قرآن مجید کا زندہ اور ناقابل تردید معجزہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ اپنے کلام پاک اور معجزاتِ قرآن حکیم کی برکت سے اس کے تمام پڑھنے والوں کو آفاتِ ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر اپنے انوارِ رحمت کی بارش برسائے اور اُن کے تمام مقاصد دینی ودنیوی میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

حدیث ایک اور باتیں انیک

از: مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری
ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

اس دنیا میں ابتدا سے پیغمبر آتے رہے اور وہ اپنی اپنی امت کو پند و نصیحت کرتے رہے۔ ایسے ہی ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفی ﷺ اپنی امت کو پند و نصیحت کی باتیں کی ہیں۔ جسے حدیث پاک کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی احادیث میں حدیث ایک ہوتی ہے اور نصیحتیں کئی ہوتی ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون میں اسی طرح حدیث ایک ہے اور اس میں کئی اچھی باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حدیث:

قال النبی ﷺ العلم بلا عمل کا لسحاب بلا مطر۔ والغنی بلا کرم کا الشجر بلا ثمر۔ والفقیر بلا صبر کالبحر بلا ماء۔ والملك بلا عدل کالغنم بلا راع والشاب بلا توبة کالبیت بلا سقف۔ والمراۃ بلا حیاء کالطعام بلا ملح۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

(۱) علم بغیر عمل کے بیکار ہے۔ اس ابر کے مانند کہ آسمان پر ابر ہے لیکن اس میں بارش نہ ہو۔

(۲) تونگر یعنی دولت بغیر بخشش وعطا کے بیکار ہے اس درخت کے مانند کہ درخت ہرا بھرا ہے لیکن اس میں پھل نہ ہو۔

(۳) وہ فقیر۔ فقیر نہیں جس کے اندر صبر نہ ہو جیسا کہ وہ دریا۔ دریا نہیں جس میں پانی نہ ہو۔

(۴) وہ بادشاہ حاکم نہیں جس کے اندر انصاف نہ ہو۔ جیسا کہ بکریاں نہیں رہ سکتے بغیر رکھوالا کے۔

(۵) وہ جوان اپنی زندگی بیکار کر رہا جس کے اندر توبہ کی عادت نہ ہو۔ جیسا کہ وہ گھر۔ گھر نہیں جس کے اوپر چھت نہ ہو۔

(۶) وہ عورت۔ عورت نہیں جس کے اندر حیا اور شرم نہ ہو۔ جیسا کہ وہ کھانا۔ کھانے کے قابل نہیں جس کے اندر نمک نہ ہو۔

خلاصہ: انسان کو اللہ نے دنیا میں پیدا کرنے کا مقصد یہ رکھا کہ دنیا میں رہ کر وہ دنیا کی امید نہ بڑھائے اور نہ ہی مال جمع کرنے کی رغبت پیدا کرے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے اندر جان اس لیے بخشی کہ ہم اس اللہ کی بندگی کریں۔ اور عقل سلیم اس لیے عطا کی کہ اللہ کو ایک جانے۔ اور قائم ہم کو اس لیے رکھا کہ نیک اعمال خوب کریں۔

اللہ نے اپنی قدرت سے ایک گروہ پیدا کیا اور کہا یہ سب جنت کے لئے ہیں۔ اور کہا مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ اللہ نے ایک دوسری جماعت پیدا کیا اور کہا یہ سب دوزخ کے لئے ہیں۔ اور کہا مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہیں۔
اب جان لیں کہ ان دونوں جماعتوں میں اللہ کو جنتی جماعت مقبول ہے۔ اب عقل سلیم رکھنے والے حضرات فیصلہ کرلیں کہ ہم کو کس زمرے میں اپنی زندگی گذارنا ہے۔
اس لئے وسیلہ اپنالو نیک کام کا اور مدد مانگو خدا سے اور جان لو ہر آرام کے ساتھ بیماری ھے۔ اور ہر جوانی کے ساتھ بڑھاپا ھے۔ اور ہر زندگی کے ساتھ موت ہے۔ اور ہر ہستی کے ساتھ فوت ہے۔ پس حاصل کرو اپنی صحت سے ایسی چیز کہ نفع دے تم کو بیماری کے وقت۔ اور جوانی سے ایسی چیز حاصل کرو کہ نفع پہنچائے بوڑھاپے کی حالت میں۔ اور زندگی سے ایسی چیز حاصل کرو کے نفع دے تم کو موت کے وقت۔ اور اپنی ہستی سے ایسی چیز حاصل کرو کہ نفع دے بعد فنا کے۔
اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے رسول ﷺ کی ہر حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

☆☆☆☆☆

نعتِ شریف

از: محمد شمس الدین ظفرؔ گلبرگوی

مرتبہ آپ کا ذیشان رسولِ عربی
آپ ہیں صاحبِ قرآن رسولِ عربی

دونوں عالم میں کسی نے بھی نہ دیکھا نہ سُنا
مہرباں آپ سا انسان رسولِ عربی

ہوگئے عشرت و آرام پسند ، جاہ طلب
قوم و ملت کے نگہبان رسولِ عربی

جان نکلے تو مدینہ میں نکلے میری
میرا پورا ہو یہ ارمان رسولِ عربی

خاکِ پا آپ کی مِل جائے ظفرؔ کو لِلّٰہ
اک یہی دل میں ہے ارمان رسولِ عربی

اُردو ادب میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد آمری جمالی
پرنسپل دار العلوم جمالیہ، چنئی

زبانِ اردو نے جو مذہبی خدمات انجام دی ہیں ان میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ اردو مصنفین نے ہر دور میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اُن کی تحقیقات قابلِ ستائش ہیں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے علم کے بغیر صحیح معنوں میں مسلمان رہنا مشکل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہی تو اسوۂ حسنہ ہیں جن کے نقشِ قدم پر چل کر کوئی بھی انسان اپنے رب کو راضی کر سکتا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے موضوع پر اردو زبان میں صد ہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس مقالہ میں صرف تین سیرت نگاروں کی کتابوں کے چند اقتباسات پیش کر کے یہ واضح کیا جائے گا کہ کس طرح ان سیرت نگاروں نے سیرت نگاری کے ذریعہ اردو ادب کو چمکایا ہے۔

پہلی کتاب جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ''الرحیق المختوم'' ہے جو مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب کی تصنیف ہے۔ ہجرت رسول پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی مجرمانہ قرارداد طئے ہو چکی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے روانگی کی اجازت دے دی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُس بستر پر نہ گزاریں جس پر اب تک گزارا کرتے تھے''۔ (ص ۲۲۶)

فتح مکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا صفی الرحمٰن رقمطراز ہیں۔

''یہ وہ فتح اعظم ہے جسکے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزت بخشی اور اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو جسے دنیا والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنایا ہے کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا ہے۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور روئے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک دمک سے جگمگا اٹھا'' (ص ۵۳۵)

غزوہ تبوک سے واپسی اور منافقوں کی ناپاک سازش کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا مبارکپوری صاحب انشاء پرداز ہیں۔
''اسلامی لشکر تبوک سے مظفر و منصور واپس آیا۔ کوئی ٹکر نہ ہوئی۔ اللہ جنگ کے معاملہ میں مومنین کے لئے ہوا۔ البتہ راستہ میں ایک جگہ ایک گھاٹی کے پاس بارہ منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اُس وقت آپ اس گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت عمّار تھے جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان تھے جو اونٹنی ہانک رہے تھے۔ باقی صحابہ کرام دور وادی کے نشیب سے گزر رہے تھے۔ اسلئے منافقین نے اس موقع کو اپنے ناپاک مقصد کے لئے غنیمت سمجھا اور آپ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر آپ اور آپ کے دونوں ساتھی حسب معمول راستہ طئے کر رہے تھے کہ پیچھے سے ان منافقین کے قدموں کی چاپیں سنائی دیں۔ یہ سب چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے اور اب آپ تقریباً چڑھ ہی آئے تھے کہ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی، جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے نام بتائے اور اُن کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لئے حضرت حذیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازداں کہا جاتا ہے۔ (ص ۵۸۸)

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب کی یہ کتاب ''الرحیق المختوم'' چھے سو ترپن (۶۵۳) صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے معتبر حوالوں سے مزیّن کیا۔ پس یہ کتاب اردو ادب میں سیرت رسول پر ایک اہم اور مفید کتاب ہے۔

سیرت نگاری پر طبع آزمائی کرنے والوں میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی جو آٹھ سو (۸۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی زبان سلیس اور عام فہم ہونے کے باوجود ایک ادبی شہ پارہ ہے جس کی جاذبیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ولادت باسعادت پر گفتگو فرماتے ہوئے علامہ اعظمی صاحب رقمطراز ہیں'' تاریخ عالم میں یہ نرالا اور عظمت والا دن ہے کہ اسی روز عالم ہستی کے ایجاد کے باعث، گردش لیل و نہار کا مطلوب، خلق آدم کا رمز، کشتیٔ نوح کی حفاظت کا راز، بانیٔ کعبہ کی دعا، ابن مریم کی بشارت کا ظہور ہوا'' (ص ۷۰)

مسجد قبا کی تعمیر کی تصویر کشی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ''قبا میں سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مقصد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا، جہاں خاندانِ عمرو بن عوف کی

کھجوریں سکھائی جاتی تھیں اسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی"۔(ص ۱۷۴)

رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی زاہدانہ زندگی پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ۔"آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہنشاہِ کونین اور تاجدارِ دوعالم ہوتے ہوئے ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر فرماتے تھے کہ تاریخ میں اسکی مثال نہیں مل سکتی، خوراک و پوشاک، مکان و سامان، رہن سہن غرض حیاتِ مبارکہ کے ہر گوشہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہداور دنیا سے بے رغبتی کا عالم اس درجہ نمایاں تھا کہ جس کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت میں ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہیں"۔(ص ۶۱۸)

عصرِ حاضر کے سیرت نگاروں میں ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب نے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔دس ضخیم جلدوں میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اُنکی یہ وسیع اور جامع کتاب منظر عام پر آئی ہے۔اس کتاب میں تاریخی حقائق کو ادبی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے

غزوہ احد کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت کی تصویر کشی فرماتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں۔"حضور صلی اللہ علیہ وسلم بگڑتی ہوئی صورتحال کا کمالِ تحمل سے جائزہ لے رہے تھے اور استقامت کا کوہِ گراں بنے دشمن کے ہر وار کو ناکام بنا رہے تھے۔اسلامی لشکروں کی صفوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔سپہ سالار مدینہ بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے۔انا رسول اللہ۔میری طرف آؤ۔میں اللہ کا رسول ہوں۔
(جلد ہشتم ص ۳۸۱)

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین کے الزام لگانے کے واقعہ کو پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔"حضرت عائشہ صدیقہؓ قافلے سے بچھڑ گئیں۔منافقین نے الزام تراشی کی انتہا کر دی اور پورے شہر میں طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیں اور ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی گھناؤنی سازش کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ان افواہوں اور بہتان تراشوں سے سخت پریشان ومضطرب تھے۔ایک ماہ بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت کا اعلان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی اور اضطراب ختم ہوا اور منافقین کی سازش بے نقاب ہوئی۔(جلد ہشتم ص ۴۷۰)

فتح مکہ کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دینے کا حکم دیا۔اس بات کا کفار پر جو اثر ہوا اس کی وضاحت کرتے ہوئے سیرت نگار ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب رقمطراز ہیں۔
"فتح مکہ کے وقت چشمِ فلک نے عفو و درگزر کے ساتھ اسلامی اخوت کے بے مثال مناظر بھی اپنے دامن میں محفوظ کر

لئے، حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ جو ایک غلام تھے جنہیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں تپتی ریت میں گھسیٹا گیا، جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ لیکن وہ مشرکین کی بربریت کے سامنے استقامت کا کوہِ گراں بن کر کھڑے رہے۔ اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، آج فتح کا عظیم دن تھا۔ اہل حق کی کامرانی اور کامیابی کا دن تھا، آج اُس بلال کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے تھے کہ بلال! رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو، نغمۂ توحید بلند کرو، اللہ کی وحدت کا اعلان کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے کے لئے بیت اللہ کی چھت پر چڑھے، کفار ومشرکین سے یہ منظر دیکھا نہ گیا، وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے، ایک غلام کعبہ کی چھت پر؟ وہ اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے، اُن کی نفرت عود کر آئی اور وہ جلی کٹی باتیں کرنے لگے، مساواتِ انسانی کا درس دینے والے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کفار ومشرکین کے پاس تشریف لے گئے، وہ باتیں جو انہوں نے ایک دوسرے سے سرگوشی کے انداز میں کہی تھیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باتیں حرف بہ حرف اُن کے سامنے دہرادیں وہ حیران وششدر رہ گئے اور پکار اٹھے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ورنہ ہماری باتیں کسی کو معلوم نہ تھیں''۔ (جلد ہشتم ص ۶۸۰)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سیرت نگاروں نے اردو ادب کے سرمایہ میں ایک وافر تعداد میں ادبی جواہر پارے شامل کئے ہیں۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل اردو زبان میں سینکڑوں کتابیں ہیں۔ بلحاظِ اختصار صرف تین کتابوں سے اقتباسات کو بطورِ نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سیرت نگاروں کی مذہبی اور ادبی خدمات کو قبول فرمائے۔ خدا کرے کہ سیرت نگاری پر مزید کتابیں مختلف پیراؤں میں جلوہ گر ہوں۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

سرقاضی حضرت سید شاہ عبدالقدوس قدسیؔ بنگلوریؒ

تیرھویں صدی ہجری کے ایک گمنام مصلح و مصنف

ڈاکٹر راہی فدائی بنگلور
9448166536

جنوبی ہند کی سرزمین صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، مفسرین ومحدثین اور اہل علم وعرفان کی آماجگاہ رہی ہے۔ اسے یہ شرف حاصل ہے کہ سارے ہندوستان میں سب سے پہلے اسی کی فضاؤں میں 'اللہ اکبر' کی صدائیں اذانوں میں گونجی تھیں، خدائے بزرگ وبرتر کی عبادت کیلئے برصغیر کی اولین مسجد بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ''ملیبار'' کے علاقہ ''کوڈنگالور'' (Kodungallur) میں ۸ہجری مطابق ۶۲۹ء میں تعمیر کی گئی جو ''چیرامن پرول جمعہ مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔ ۱ راقم الحروف (راہی فدائی) کو اس قدیم ترین مسجد کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسی سرزمین جنوب میں ہندوستان کے پہلے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، بقول ڈاکٹر محمد اسحاق، پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی، جنوبی ہند میں تعلیم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ساحل مالابار میں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ ۲ علاوہ ازیں جنوبی ہند کی سرخ سرزمین بیدر (کرناٹک) پر عالم اسلام کے نامور اسکالر، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۲۵ھ) کے شاگرد رشید اور بہمنی سلطنت کے وزیر اعظم علامہ خواجہ عمادالدین محمود گاواں شہید (شہادت: ۸۸۶ھ) نے ہندوستان کی جدید اولین اقامتی عربی یونیورسٹی قائم کی تھی۔ ۳ جس کے آثار آج بھی بیدر میں موجود ہیں۔ ہندوستان کے سلاطین میں جنوب کی پہلی آزاد سلطنت کے حکمران سلطان محمود شاہ اول (۷۸۰ تا ۷۹۹ھ مطابق ۱۳۷۸ء تا ۱۳۹۷ء) نے سب سے پہلے محدثین کرام کی حکومت کی جانب سے سرپرستی کی تھی، ۴ غرض جنوبی ہند کی مذکورہ خوبیوں اور کمالات واولیات کے باوجود خاکِ جنوب کے مزاج ومنہاج میں شہرت پسندی، جاہ طلبی، ریاکاری اور اشتہار بازی کا جذبہ برائے نام بھی پایا نہیں جاتا ہے، ابتداء ہی سے یہاں کے اہل علم واصحاب فضل خاموش مزاجی، زاویہ نشینی اور تواضع وخاکساری کے عادی ہیں، اور ان کے طبائع میں اپنے کارناموں کو مشتہر کرنے کی شدید خواہش اور نام ونمود کی دلی تمنا مفقود رہی ہے تاہم کبھی کبھی کسی نہ کسی شخصیت کی قسمت میں خداوند قدوس ایسی شہرتیں اور ایسی برکتیں ودیعت کردیتے ہیں جس سے وہ شخصیت منارۂ نور بن کر ابھرتی ہے اور اس سے عرب وعجم کے علمی حلقے مستنیر ومستفیض ہوکر اس کے نام وکام کو زندۂ جاوید بنانے میں مددومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی خوش بخت اکابر میں صوفی صاحب حال وقال اور عالم باعمل وباکمال مصلح وداعی حضرت مولانا سرقاضی الحاج سید شاہ عبدالقدوس صاحب قادری قدسیؔ بنگلوری کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت شاہ قدسیؔ کے اجداد ملک عرب سے ہندوستان تشریف لائے تھے، آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت سید احمد شاہ قادری بغدادی (متوفی غالباً ۱۰۱۶ھ) شہر بغداد کے باشندہ تھے، آپ کا سلسلہ نسب سترہ (۱۷) واسطوں سے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند حضرت سید تاج الدین عبدالرزاق قادریؒ سے ملتا ہے۔ سید احمد شاہ قادری کے صاحبزادے سید عبدالمحمد شاہ قادری (ولادت ۱۰۰۱ھ وفات ۱۰۷۵ھ) اپنے والد کے وصال کے بعد اشارۂ غیبی پاکر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہدِ حکومت (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) ۱۰۱۶ء میں بغداد سے بیجاپور منتقل ہوگئے۔ بعد ازاں یہیں آپ کے گھر سید ملک شاہ قادری کی ولادت باسعادت ۱۰۳۰ھ میں ہوئی، والد نے اس نونہال کی تعلیم وتربیت کا ذمہ خوب نبھایا، جب وہ علوم شرعیہ وحقائق صوفیہ سے فارغ ہوگئے تو انہیں بیعت سے مشرف کرکے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ملک شاہ منصبِ دعوت وارشاد پر متمکن ہونے کے بعد خدمت خلق اور اصلاح امت میں جٹ گئے۔ آپ نے اسی مصروفیت میں شب وروز منہمک رہتے ہوئے ۱۰ ؍محرم ۱۱۰۰ھ کو اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ حضرت سید ملک شاہ کے لختِ جگر ونورِ نظر سید حیدر شاہ قادری بیجاپوری (ولادت ۱۰۷۰ھ وفات ۱۱۴۱ھ) بڑے ہی صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، سلطان وقت سکندر عادل شاہ (متوفی ۱۱۱۱ھ) آپ کا معتقد اور حاضر باش تھا، بیجاپور میں آپ کی آخری آرام گاہ آج بھی مرجع خاص وعام ہے۔ حضرت حیدر شاہ کے خلف الرشید حضرت سید محمد حسین شاہ قادری بیجاپوری (ولادت ۱۱۲۵ھ وفات ۱۱۹۴ھ) نواب حیدر علی خان (متوفی ۱۱۹۶ھ) کی دعوت پر بیجاپور سے ۱۱۶۰ھ میں میسور تشریف لائے، حیدر علی اس زمانے میں میسور کے راجہ ''چک کرشنا راجہ وڈیر'' (عہد حکومت ۱۱۴۷ھ تا ۱۱۸۰ھ) کے سپہ سالار کی حیثیت سے کارکردتھے۔ حیدر علی نے حضرت محمد حسین شاہ کے علم وعمل اور پرہیزگاری وخوش خلقی سے متاثر ہوکر اپنے فرزند والا جاہ شاہ بہادر کی تعلیم وتربیت پر آپ کو مامور فرمایا اور ''ملوتی'' (کوڈیگال) کے علاقہ میں بہت بڑی جاگیر عطا کی۔ حضرت سید محمد حسین شاہ قادری کے جانشین آپ کے ولد صالح حضرت مولانا سید محمد داؤد شاہ قادری ہوئے جن کی پیدائش بتاریخ ۱۱؍ربیع الثانی ۱۱۶۰ھ سری رنگ پٹن میں ہوئی۔ آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد بزرگوار اور استاذ کُل حضرت عبداللہ ملیباری سے سیکھے، فن شاعری میں کمال حاصل کیا اور والد قبلہ سے رموز طریقت ومعرفت سے کماحقہ واقف ہوکر خلافت سے مشرف ہوئے، آپ کی انہیں خصوصیات کی وجہ سے حضرت سلطان ٹیپو شہید (شہادت ۲۸؍ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ) نے شہزادہ کریم شاہ بہادر کی علمی، دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا، حضرت سید داؤد شاہ قادری کے صاحبزادے سید محمد جلال شاہ قادری (ولادت ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء) ''پسر نمونۂ پدر است'' کے مصداق اپنے والد ماجد کے خلف صادق تھے۔ [۵] آپ نے اپنے شفیق باپ سے علوم متداولہ کے علاوہ حقائق ومعارف میں بھی دستگاہ حاصل کی اور پھر عوام وخواص میں پھیلے ہوئے باطل عقائد وفاسد اعمال کی اصلاح میں شب وروز مصروف ہوگئے،

سلطنت خداداد کے زوال کے بعد آپ کا دل سری رنگ پٹن سے اکتا گیا تو آپ شہر بنگلور تشریف لائے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے، حضرت جلال شاہ قادری کے یہاں دولڑکے تولد ہوئے، ایک کا اسم گرامی سید شاہ محمد عبد الرزاق قادری تھی، پڑھ لکھ کر جید عالم وفاصل ہوئے، شاعری سے بھی دلچسپی تھی، ناظرؔ تخلص اختیار کیا تھا، ایک مدت بعد آپ بنگلور سے حیدرآباد دکن چلا گئے، پھر وہاں سے 'سنگاریڈی (موجودہ تلنگانہ) پہنچ کر مدرسہ عربیہ دینیہ کے صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوگئے۔ ۶

حضرت جلال شاہ کے دوسرے فرزند حضرت سر قاضی سید شاہ عبد القدوس قدسیؔ بنگلوری ہیں۔ حضرت قدسیؔ نے مقامی باکمال اساتذۂ کرام کے علاوہ اپنے والد ماجد اور اپنے عم محترم و مرشد مکرم حضرت سید شاہ عظمت اللہ میسوری سے اکتساب فیض کیا تھا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اپنے معاصرین میں منفرد و ممتاز شمار کیے گئے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو اوّلاً معسکر کے قاضی حسین شریف کا نائب بنایا گیا۔ بعد ازاں بقول مولانا خورشد عالم ندوی'' غالباً ۱۲۷۶ھ۔ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۲ء۔ ۱۸۶۳ء کے دوران گورنمنٹ کی جانب سے معسکر بنگلور کے سر قاضی مقرر ہوئے''۔ ۷ آپ کو علوم وفنون کے علاوہ شاعری بھی ورثہ میں ملی تھی، نظم ونثر میں خوب کتابیں تصنیف کیں، تعلیم و تعلم کا بے حد شوق تھا، ''جامع العلوم'' کے نام سے ایک شاندار عربی مدرسہ قائم فرمایا جس میں تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) طلبا زیر تعلیم تھے اور مقامی و بیرونی سترہ (۱۷) اساتذہ خدمت تدریس پر مامور تھے، ان اساتذہ میں علامہ قاضی محمد سنکسیری اور اس دور کے مشہور عالم وصوفی حضرت مولانا سید شاہ سراج الدین سلامت اللہ رامپوری مصنف قصائد حمدیہ معروف بہ قصائد ارشادیہ (مخطوطہ) کی شخصیت مرجع علما وفضلا بنی ہوئی تھی۔ حضرت قدسیؔ کا ایک عظیم کتب خانہ تھا جس میں تقریباً اسّی (۸۰) ہزار کتابیں موجود تھیں، آپ نے اپنے فرزند سید شاہ عبد الغفار قادری کو اعلیٰ تعلیم و بہتر تربیت کے لئے مولانا سلامت اللہ کے حوالے کیا تھا۔ ۸

حضرت سید شاہ عبد القدوس قدسیؔ قادری بنگلوری کا نکاح علاقہ آندھرا کے قصبہ مری پاڈو (ضلع چتور) کے دیندار سادات گھرانے کی خوبصورت و نیک سیرت دوشیزہ سے ہوا جن کے بطن سے سید عبد الغفار تولد ہوئے، مولانا شاہ عبد الغفار قادری تاحیات اپنے والد کے نقش قدم پر گامزن رہے، بدعات وخرافات کی بیخ کنی اور بدعقیدہ لوگوں کی اصلاح میں تقریر وتحریر کے ذریعہ جہاد کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے والد کی معرکہ آرا ضخیم و عظیم تصنیف ''تذکرۃ النعمان'' کو والد کے انتقال (۱۳۲۳ھ) کے دوسال بعد ۱۳۲۵ھ میں بعض ناگزیر حالات کے باوجود بڑی عمدگی اور شائستگی سے شائع فرمایا۔ ''تذکرۃ النعمان'' دراصل ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء تصنیف کی گئی تھی، دس ہزار دوسودو (۱۰۲۰۲) اشعار پر مشتمل اس منظوم کتاب میں امام الفقہاء رئیس المحدثین حضرت امام اعظم نعمان بن ثابتؒ کے تفصیلی فضائل ومناقب، اخلاق وکردار اور حالات وکمالات کے تذکرے ودیگر ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے سوانحی خاکے معتبر کتابوں اور احادیث شریفہ کے حوالوں سے زیب قرطاس کیے گئے ہیں۔ کتاب کے سال تصنیف اور تعداد اشعار کے تعلق سے خود

مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے۔

غرض یہ نسخۂ پُر فیض و برکت — جو پہنا اختتامی کی ہے خِلعت
ہزار و دو صد و یک کم زہشتاد — ''منزہ باغِ قدسی'' سالش افتاد
اگر سال دگر از من بہ پرسی — بخوانی نیز ''اعلیٰ باغ قدسی''
تمام ابیات اس کے اے نکوخو — ہیں بے شک دس ہزار و دوصد و دو
مہکتی ہے مہک نعماں کی اس میں — جھلکتی ہے جھلک نعماں کی اس میں ۹

حضرت قدسیؔ نے اپنی اس مؤقر تصنیف کے متن کی شروعات مصنفین کی روایت کے مطابق حمد ونعت ومنقبت سے کی مگر کتاب کے اہم عنوانات کو مقفّٰی ومردّف منظوم کرتے ہوئے اپنی جدت طرازی کا ثبوت دیا ہے، حمد باری تعالیٰ کا عنوان اس شعر کو بنایا ہے۔

خدا کا حمد اے قدسیؔ کہاں لکھنے میں آتا ہے — کہ دہشت سے مثالِ بید خامہ تھرتھراتا ہے

خدائے تعالیٰ سے مناجات کے لئے درج ذیل شعر موزوں کیا ہے:

نہیں یارا ہے جب حمدِ خدائے پاک لکھنے کا — دعا کے واسطے ہاتھ اپنے قدسیؔ اٹھاتا ہے

نعت سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان اس طرح ہے:

رسولِ حق کا اے قدسیؔ کہاں ہو وصف تیرے سے — کہ خود خلّاق عالم مدح کو ان کے سناتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کے لئے یہ شعر عنوان بنا ہے:

نہیں طاقت جو لکھوں سید کونینؐ کی توصیف — تو اے قدسیؔ ادب سے چاہ جو کچھ دل میں لاتا ہے

یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ ''تذکرۃ النعمان'' کی تصنیف ۱۲۷۹ھ کے تینتیس سال بعد ۱۳۱۲ھ میں مطبع رضوی بنگلور سے اس کتاب کے مطبوع ہونے کی اطلاع اندرونی سرورق پر دی گئی ہے اور یہ ظاہر کیا گیا کہ حاجی محمد عبداللہ بن حاجی ابوبکر سیٹھ صاحب نے اپنے خاندانی مرحومین کے ایصال ثواب کے طور پر اس کتاب کی اشاعت کے لئے تعاون کیا ہے۔ تاہم یہ تصنیف مذکورہ تصریح کے تیرہ سال بعد ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی اور اس میں یہ صراحت بھی کی گئی کہ ''تذکرۃ النعمان'' ۱۳۲۴ھ میں طبع ہونے والی تھی مگر بعض وجوہ کی بنا پر ایک سال بعد ۱۳۲۵ھ میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس معرکہ آرا کتاب پر مختلف ممالک کے علما اور ہندوستان بھر کے ادبا اور شعرا نے تقاریظ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے، جن میں اس وقت کے جواں سال فاضل علامہ احمد رضا خان صاحب (ولادت ۱۲۷۲ھ وفات: ۱۳۴۰ھ) اور ان کے دونوں صاحبزادے عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان اور محمد حامد رضا خان کے علاوہ علامہ کے نامور خلیفہ مولانا عبدالسلام

قادری جبلپوری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت قدسیؔ کی شہرت عالمگیر تھی، آپ کے روابط وتعلقات برصغیر کے علاوہ ترکی اور عرب کے علما ومفتیان کرام سے بھی تھے، چنانچہ قسطنطنیہ (ترکی)، یمن (عرب) حلب (شام)، قندھار (افغانستان)، بخارا (تاجکستان) کے فضلا کی توصیفی آرا کے علاوہ ہندوستان کے شہروں بدایون، جبلپور، بریلی، رامپور، پٹنہ، لکھنؤ، دہلی، لاہور (موجودہ پاکستان) پیلی بھیت، بکسر، ناسک، بمبئی، حیدرآباد دکن، مدراس، میسور اور اوٹی کے علما وشعرا کی تقریظوں سے یہ کتاب مزین ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ باایں ہمہ شہرت وناموری حضرت قدسیؔ کے علمی تعلقات اور شخصی روابط شہر ویلور کے بزرگوں سے اور خود اپنے شہر بنگلور کے مشاہیر علما سے نہیں تھے ورنہ ان کے تقاریظ بھی آپ کی تصنیفات میں ضرور شامل ہوتیں۔ ویلور میں برصغیر کے مشہور پیر طریقت محدث وفقیہ مصنف ومقرر حضرت سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری ویلوریؒ معروف بہ قطب ویلور (ولادت: ۱۲۰۷ھ وفات: ۱۲۸۹ھ) کی ذات والا صفات سارے ہندوستان کے لئے خصوصاً جنوبی ہند کے لئے مرشد ورہبر کی حیثیت رکھتی تھی۔ ویلور ہی میں آپ کے ممتاز خلیفہ شمس العلماء اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبدالوہاب قادری نقشبندیؒ (ولادت: ۱۲۴۸ھ وفات: ۱۳۳۷ھ) بانی ام المدارس مدرسہ باقیات صالحات ویلور کی شخصیت تمام جنوب بعید ملیبار، سیلون، ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں مرجع خاص وعام تھی۔ اسی طرح شہر بنگلور میں ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف ملک العلما علامہ عبدالحیٔ احقر بنگلوری (ولادت: ۱۲۳۴ھ وفات: ۱۳۰۱ھ) بانی مدرسہ اسلامیہ معسکر کی مقدس ہستی اپنی تصنیفات اور اپنے تقویٰ وطہارت کی وجہ سے مقبول عام وخاص تھی۔ ان بزرگوں کے علاوہ خانقاہ اقطاب ویلور کے سجادہ نشین شمس العلما سید شاہ رکن الدین قادریؒ ویلوری (ولادت ۱۲۶۹ھ وفات: ۱۳۲۵ھ) جیسی قدآور اور نامور شخصیتیں حضرت قدسیؔ کے اصاغر معاصرین میں سے تھیں۔ علاوہ ازیں شیخ الاسلام مولانا شاہ انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی (ولادت: ۱۲۶۴ھ وفات: ۱۳۳۶ھ) مولانا قاضی صبغۃ اللہ بدر الدولہ مدراسی (ولادت: ۱۲۱۱ھ وفات: ۱۲۸۰ھ) مولانا عبدالوہاب مدارالامرا مدراسی (ولادت: ۱۲۰۸ھ وفات: ۱۲۸۵ھ) قاضی القضاۃ ارتضا علی خان فاروقی (ولادت: ۱۱۹۸ھ وفات: ۱۲۷۰ھ) بھی ہیں، آخر الذکر یہ تینوں بزرگ حضرت قدسی کے اکابر معاصرین میں سے تھے۔ جن کی شہرتیں جنوب کی سرحدوں سے پار کر کے شمالی ہند اور عرب وعجم میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود حضرت قدسی ان اکابر کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ راقم الحروف کی رائے میں مذکورہ مشاہیر علمائے جنوب اور سر قاضی علامہ عبدالقدوس قادری قدسیؔ بنگلوری کے درمیان خلیج اور بُعد اور ان بزرگوں کی طرف آپ کے عدم التفات کی وجہ یہ ہے کہ جنوبی ہند کی سرزمین صدیوں سے امن وامان کا گہوارہ اور سکون وطمانیت کا مرکز رہی ہے۔ یہاں کے خواص کا ہی نہیں بلکہ عوام کا بھی وصف خاص اور ان کی عالی صفت یہ ہے کہ وہ کسی بھی صورت اور کسی بھی قیمت پر فتنہ وفساد کو برداشت نہیں کرتے

۔صبر وتحمل اور خلوص کیشی و بردباری ان کا نشان امتیاز رہا ہے۔ایسے میں چند سخت گیر تحریکوں کے حاملین اور بعض شدت پسند خیالات وآرار کھنے والے افراد نے مدراس کی سرزمین پر قدم رکھا تو وہاں کے پرسکون و پروقار ماحول میں انتشار وافتراق کی کیفیت پیدا ہوگئی جس سے مدراس کی فضائیں مسموم ومخدوش ہوگئیں ،اس صورت حال سے سارا جنوب متاثر ہوگیا۔جب اس کیفیت کا احساس سید شاہ عبداللطیف قطب ویلور کو ہوا تو آپ نے اس کے تدارک کے لئے ایک عمدہ وبہترین کتاب ''فصل الخطاب فی الفرق بین الخطاو الصواب'' ۱۲۷۷ھ میں تصنیف کی جس سے کسی حد تک افراط وتفریط کا ماحول اعتدال پر آ گیا۔بقول مصنف دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ۔

''حضرت مولانا اسماعیل شہید ابن شاہ عبدالغنی ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۲۴۶۔۱۱۹۳ھ) کی اختلافی ونزاعی کتاب '' تقویۃ الایمان'' مدارس پہنچی۔جس کے مندرجات کے تعلق سے مسلمان دوفرقوں میں بٹ گئے ۔حضرات اہل علم کے درمیان توسل ،استمداد،تعین اوقات برائے صدقات ،نذرونیاز ،میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ،زیارت قبور،تعظیم تبرکات انبیاواولیا،علم غیب،دوگانہ قادریہ، تکفیر اہل قبلہ،ندالغیر اللہ،وحدۃ الوجود وغیرہ فروعی مسائل میں سخت ترین اختلاف رونما ہوگیا۔علما اور فضلا کی تحریروں اور تقریروں میں انتہائی افراط وتفریط کے جذبات جگہ پا گئے۔اس سنگین صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کے متنازع جتھوں کے درمیان موجود منافرت کی خلیج پاٹنا وقت کا اہم ترین تقاضا تھا۔اسی داعیہ کے زیر اثر حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے ''فصل الخطاب فی الفرق بین الخطا والصواب'' جیسی لاجواب کتاب تصنیف کی۔اس کتاب میں درحقیقت اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ دکھائی گئی ہے۔جوں ہی یہ کتاب منظر عام پر آئی ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔اس کا خاطر خواہ اثر بھی مرتب ہوا۔علاقہ مدراس اور کرناٹک میں مسلمانوں کے درمیان آپسی رسہ کشی اور سر پھٹول بہت حد تک کم ہوگیا،مسلمان پھر سے مل جل کر رہنے لگے تھے۔''

حضرت قطب ویلور نے احباب کے اصرار پر اس بات کی صراحت اپنے مکتوبات میں بار بار کی کہ کسی بھی عبارت کے معانی میں کفر کے ننانوے احتمالات اور ایک عدم کفر کا احتمال ہو تو مفتی اور قاضی کو احتیاطاً عدم کفر پر ہی فتوی دینا چاہئے۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

''علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ وہ مسئلہ جس کا تعلق کفر سے ہے اگر اس میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اس کی نفی کا ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے بہتر ہے کہ وہ نفی والے احتمام پر عمل کریں ، اس لئے ہزار کفار کو غلطی سے زمرۂ اسلام میں باقی رکھ کر ان کو رحمت

خداوندی کا مستحق بنا دینا یہ غلطی کم درجہ اور معمولی ہے بہ نسبت اس غلطی کے کہ کسی مسلمان کو غلطی سے زمرۂ اسلام سے خارج کر کے عذاب خداوندی کا مستحق قرار دے دیا جائے''۔

حضرت قطب ویلور نے کہیں ''تقویۃ الایمان'' کے مندرجات کی تائید نہیں کی بلکہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کی دوسری کتاب ''صراط مستقیم'' کے بارے میں آپ نے اپنی رائے کا برملا اظہار فرمایا:

''جب سے فقیر نے صراط مستقیم مطبوعہ ۱۲۳۹ھ کا مطالعہ کیا ہے مولوی اسماعیل صاحب کو سب دشتم اور تکفیر کرنے والوں سے متفق نہیں ہے۔جس طرح خلفاء ثلاثہ کی تکفیر کرنے والے یعنی روافض کا اور خلیفہ رابع حضرت علیؓ کی تکفیر کرنے والے یعنی خوارج کا اہل سنت والجماعت ساتھ نہیں دیتے اور روافض وخوارج اس وجہ سے اہل سنت سے ناراض رہتے ہیں اور ان پر افترا اور اتہام رکھتے ہیں ،اسی طرح فقیر جو مولوی اسماعیل صاحب کی تکفیر کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہے تو وہ لوگ مجھ سے ناخوش ہیں اور مجھ پر افترا و بہتان رکھتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم نے اس متنازع کتاب کی نسبت مولانا اسماعیلؒ کی طرف کرنے سے انکار کر دیا جیسا کہ مولانا سید شاہ حسین احمد مدنیؒ (ولادت: ۱۳۰۴ھ وفات: ۱۳۷۷ھ) نے اپنے مکتوبات میں تحریر کیا کہ یہ کتاب مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ہے۔[۱۳]

حضرت قدسیؒ ہنوز چھ سال کے تھے کہ بالاکوٹ (پنجاب) کے میدان میں ۲۴/ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو حضرت سید احمد رائے بریلوی کے ہمراہ مولانا اسماعیل دہلوی نے جام شہادت نوش کیا تھا، اس سانحہ کے ایک سال پیشتر ماہ محرم ۱۲۴۵ھ میں حضرت سید احمد شہید کے نامور خلیفہ مولانا سید محمد علی رامپوری (متوفی: ۱۲۵۸ھ) مدراس تشریف لائے ،انہوں نے اپنے شیریں پندو مؤثر وعظ و بیان کے ذریعہ عوام وخواص کے دلوں میں جگہ بنالیا۔آپ کا قیام مدراس میں چند ماہ رہا۔بعد ازاں آپ ۱۲/ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو مدراس سے کلکتہ روانہ ہوگئے۔آپ کی روانگی کے بعد ۱۲۴۶ھ میں مولانا اسماعیل شہید سے منسوب کتاب ''تقویۃ الایمان' مدراس پہنچی تو اس کے مشتملات پر خوب بحث ومباحث شروع ہوگئے اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوگیا، کتاب کے مصنف اور ان کے ماننے والوں پر کفر کے فتوے داغے جانے لگے، ان حالات سے عوام تو عوام خواص واہل علم بھی بے حد پریشان ومضطرب ہوگئے ۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔اسی دوران مولانا محمد علی حج بیت اللہ کے ارادے سے دوبارہ مدراس بتاریخ ۲۶/رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ پہنچے تو آپ سے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے ،آپ نے مذکورہ کتاب سے اپنے براءت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے مندرجات عقائد اہل سنۃ والجماعۃ کے صریح خلاف ہیں اس لئے یہ کتاب قابل اعتنا نہیں ہے۔اس وضاحت کے ساتھ

ہی آپ نے مولانا اسماعیل شہید کی تکفیر سے انکار کردیا۔ براءت نامہ کی عبارت کا اقتباس حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ''الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین والہ الطاہرین وصحبہ الطیبین، امابعد برمتبعان شریعت غرّا وپیروان سنت بیضا مختفی ومحتجب نماند کہ فقیر سید محمد علی رامپوری دریں ولا کتاب 'تقویۃ الایمان' ملاحظہ کرد، ہرگاہ بعض مضامین وعبارات آں رامخالف مذہب حق واہل سنت وجماعت دیدوبدریافت متیقن گشت کہ ہرکس کہ براں مسائل کتاب کہ متضمن تنقیص انبیاء واولیاء ومخالف عقائد حقہ اہل سنت است، معتقد شود، بے شک کافر گردد، واز دائرۂ اسلام بروں رود۔''......تحریر فی التاریخ ہفتم ذی قعدہ ۱۲۵۱ ہجری مقدسہ ۔[۱۴]

یعنی ''تمام تعریفیں عالم کے پروردگار اللہ کے لئے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ہو آپ کے رسول سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے پاک آل اور صحابۂ کرامؓ پر۔ امابعد شریعت غرّا کے متبعین اور سنت بیضا کے پیروکاروں پر یہ بات مخفی وپوشیدہ نہ رہے کہ فقیر سید محمد علی رامپوری نے ان دنوں ''تقویۃ الایمان'' کی کتاب دیکھی، اس کے بعض مضامین اور عبارتوں کو اہل حق واہل سنت وجماعت کے مذہب کے خلاف پایا اور دریافت سے یہ یقین ہوگیا کہ جو شخص کتاب کے ان مسائل پر اعتقاد رکھتا ہے، جن سے انبیا واولیا کی تنقیص اور اہل سنت کے عقائد حقہ کی مخالفت نکلتی ہے بے شک کافر ہوجاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے......۷/ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ کو یہ اظہار نامہ لکھا گیا''

مولانا محمد علی کے اس واضح اظہار برأت کے باوجود لوگوں نے آپ کی مخالفت ترک نہیں کی بلکہ آپ پر کفر کے فتوے صادر کئے کیونکہ بقول مولانا محمد یوسف کوکن عمری:

''سید صاحب موصوف نے دوسرے دن یعنی ۸/ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ کو جمعہ کی نماز کے بعد مسجد والا جاہی میں ایک دلدوز تقریر کی، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو گھٹانے والی عبارتوں اور ان کے الفاظ سے برأت تو ظاہر کی، مگر مولوی محمد اسماعیل اور مولوی ولایت علی وغیرہ کو کافر قرار دینے سے قطعی انکار کردیا بلکہ الثاان کے دین وایمان اور اوصاف حمیدہ کی بڑی تعریف کی۔'' [۱۵]

اس واقعہ کے بعد آپ کی مخالفت میں شدت آگئی، یہاں تک کہ آپ کو ۱۵/ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ کو مدراس سے واپس کلکتہ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ حالانکہ مدراس کے قاضی القضاۃ علامہ ارتضٰی علی فاروقی صفوی (ولادت: ۱۱۹۸ھ۔ وفات: ۱۲۷۰ھ) نے آپ کی تائید فرمائی اور کہا کہ بیچارے مولوی میر محمد علی صاحب نے کسی معاملہ میں بھی حنفی عقائد ومسائل کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور اگر کوئی دوسرا یہ کام کرے تو ان پر (الزام) عائد نہیں ہوتا'' شہر مدراس ہی کے جید عالم ومحدث وفقیہ مولانا محمد صبغۃ اللہ معروف بہ قاضی بدر الدولہ (ولادت: ۱۲۱۱ھ وفات: ۱۲۸۰ھ) بھی مولانا محمد علی کی تعریف میں رطب

السان رہے۔

چنانچہ آپ نے لکھا:

''امابعد دقائق معانی کے نکتہ سنجوں اور حقائق حقانی کے واقف کاروں پر یہ بات مخفی پوشیدہ نہ رہے کہ چند سال پہلے سید گرامی دو واعظ نامی، مصدر فیوضِ جلی مولوی میر محمد علی جو مکارم اخلاق سے آراستہ او رشریعت وطریقت کے زیور سے پیراستہ تھے اور اپنی بیعت وخلافت کی نسبت سلاسلۂ کرام نقادۂ دودمان ذی الاحترام، شریف امجد مولانا سید احمد سے جن کے مکارم ومحاسن کا علم عرصۂ جہاں میں بلند ہو چکا تھا اور جن کی ناموری کا نقارہ چاردانگ ہندوستان میں بج چکا تھا، درست رکھتے تھے، تقریباً ایک سال تک اس دیار میں مقیم رہے۔'' [16]

مذکورہ بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت قطب ویلورؒ کے مشہور خلیفہ ملک العلماء شاہ عبدالحیؒ احقر بنگلوری مصنف ''جنان السیر فی احوال سید البشر'' ومترجم صحیح بخاری نے بھی مولانا سید محمد علی رامپوری کی نہ صرف تائید کی بلکہ سید موصوف سے سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت واجازت بھی حاصل کی۔ چنانچہ آپ نے مولانا محمد علی کی تعریف اوران کے شیخ کی توصیف جابجا کی ہے، ایک مقام پر اس طرح رقم طراز ہیں:

مطلعِ انوار محمد علی — مجمعِ اسرار محمد علی

سید احمد ہے یقیں جس کا پیر — فوجِ مجاہد کا امام وامیر [17]

حضرت احقرؔ نے اپنی کتاب ''فیض روحانی از شیخ روحانی'' میں سید احمد شہیدؒ کے تعلق سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

وہ فرد العصر قطب الواصلین — سید احمد امام العارفین

صاحب سیر وسلوک و جذب و حال — وارثِ علمِ لدنّی بے قیل وقال

تیرھویں صدی کا مجدد اور امام — رکن شرع و ملتِ خیر الانام

جن کے ارشاد و ہدایت سے خدا — ایک عالم کو دیا راہِ ہدیٰ [18]

علاوہ ازیں حضرت احقر نے اپنے دونوں شیوخ اور اپنے پیر بھائی کی حمایت میں مباحثے اور مناظرے بھی کئے، اور یہ اعلان بھی بنگلور اور مدراس کے اخبارات میں شائع فرمایا کہ:

''یہ احقر حضرت مولوی حافظ سید شاہ محی الدین صاحب قادری (قطب ویلور) مولانا سید محمد علی رامپوری واعظ (خلیفہ سید احمد شہید بریلوی) اور مولوی نواب خاں عالم خاں مدراسی (خلیفہ سید محمد علی رامپوری) کا

بہ دل معتقد ہے۔ اگر ان بزرگوں کے ساتھ کسی کو کچھ کلام ہے تو احقر کے ساتھ بحث کریں، بعون اللہ جواب دینے حاضر ہوں، یہ بزرگان اکابرین اور پیشوایانِ اہل سنت و جماعت سے ہیں۔" ١٩

چنانچہ شہر بنگلور کے معمول پیٹھ میں منشی غلام احمد طاہر سے مولانا محمد علی اور مولانا اسماعیل شہید کی تائید میں حضرت احقر نے مناظرہ کیا جس کی تفصیل ۱۲۷۷ھ میں "رسالۂ مباحثہ" کے نام سے مطبع محمدیہ مدراس سے شائع ہوئی۔ ٢٠

شہر مدراس میں جاری یہ تکفیری فتنہ جب بنگلور پہنچا تو شہر کے اہل علم بھی اس سے متاثر ہو گئے اور عوام الناس کو اس مصیبت سے بچانے کے لئے اپنے تقریروں اور تحریروں میں اس کی تردید کرنے لگے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپی دکھانے والے "تقویۃ الایمان" اور اس کے مصنف کی تردید وتکفیر کرنے والوں کے گروہ میں حضرت سرقاضی سید شاہ عبدالقدوس قادری قدسیؔ بنگلوری کی شخصیت پیش پیش رہی، آپ نے اپنی تصنیف، شرح تحفۂ محمدیہ فی ردفرقۂ مرتدیہ" (مرقومہ: ۱۲۸۱ھ) میں جابجا مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہید کو ہدف ملامت بنایا، ان کی تکفیر کے فتوے جاری کئے اور لوگوں کو باطل عقائد سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے باز رکھا اور بعنوان وہابیوں کے کتب اور اس کی حقیقت کے بیان میں تحریر کیا "جانیو مسلمان بھائیو کہ مذہب وہابیہ کے کتب جو ہندوستان میں جاری ہوئے ہیں (ان میں) پہلی "تقویۃ الایمان" ہے اسماعیل دہلوی کی اور "صراط مستقیم" (ہے) ٢١ اسماعیل دہلوی کی جو "صراط مستقیم" کہ اصل میں "صراط جحیم" ہے۔" ٢٢ (اسی کتاب میں لکھا ہے) سید احمد (مرشد مولانا سید محمد علی رامپوری) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے، حضرت نے اپنے ہاتھ سے تین کھجوران کے منہ میں رکھے، بعدازاں ہوشیار ہوئے اپنے نفس میں اس کا اثر ظاہر وباہر پائے، یہ خواب سے ابتدا سلوک نبوت کی حاصل ہوئی، انتہا (احقر کہتا ہے) جب مردوں سے فائدہ نہ ہوتا ہے تو یہ خرما کھا کر کس طرح نمک حرامی پر کمر باندھے اول عبارت ثانی کی معارض ہوئی، اس سے ظاہر ہوا کہ دروغ گو کو حافظہ نہیں، وہ جو لکھا ہے "واقعۃ" ابتدائے سلوک حاصل شد" کفر صریح ہے، شاید زعم ولایت ہوتا ہوتا نبوت کا بھی ہونے والا تھا۔" ٢٣

حضرت قدسیؔ نے مذکورۂ بالا کتاب کو تحریر کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا ہے "ہماری سنت جماعت کو معلوم ہونے کیلئے علی الخصوص اہل بنگلور کو مفہوم ہونے کے لئے "تحفۂ محمدیہ" کو حاشئے سے مزین کیا تا کہ اہل سنت اس پر عمل کریں اور عمل پیرا ہوویں، اس عاصی کو دعائے خیر سے یاد کریں" ۔ ٢٤

راقم کی رائے میں خصوصیت کے ساتھ اہل بنگلور کو سمجھانے کی جو بات کہی گئی ہے وہ اس لئے کہ بنگلور کی بزرگ ترین شخصیت حضرت شاہ عبدالحی احقرؔ کی تھی جن کا علم وتقویٰ مسلّم تھا اور شاہ صاحب کے سو سے زائد تصنیفات کا اثر تمام جنوبی ہند پر بالخصوص بنگلور شہر پر بے حد نمایاں تھا، علاوہ ازیں آپ کئی انجمنوں کے صدر اور کئی اداروں کے سرپرست تھے جس کی تفصیل راقم کی تصنیف دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے ادبی منظرنامہ میں موجود ہے، علاوہ ازیں آپ کے زیرسرپرستی ایک عظیم مدرسہ بھی جاری تھا۔ حضرت احقرؔ مولانا سید احمد شہید، مولانا شاہ اسماعیل شہید اور مولانا سید محمد علی رامپوری پر مکمل

اور کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت سرقاضی قدسی قبلہ کا نظریہ اوران کی رائے اس کے بالکل برعکس تھی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس کے باوجود حضرت قدسی کی یہ شرافت ذاتی اور بلند اخلاق واعلیٰ کردار ہے کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں کہیں بھی اپنے مخالفین کو خصوصاً ان بزرگوں کو جن سے آپ کو شدید اختلاف ہے تنقید و تنقیص کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ ان سے نفیاً یا اثباتاً کوئی سروکار ہی نہیں رکھا۔ البتہ اپنی ایک عبارت میں بزرگ معاصر حضرت قطب ویلور علیہما الرحمہ پر ہلکا سا طنز کیا ہے، آپ نے اپنے کتب خانے میں موجود بعض اہم کتابوں کے نام گنواتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اور متصل (مفصل) فی شرح مجمل'' میں مولوی محی الدین شاہ صاحب ویلوری کے گول گول جوابات کا رد مطبوع مدراس (ہے)۔''

حضرت قدسی علیہ الرحمہ کی یہ دلی کیفیت قابل ستائش ہے کہ آپ علامہ وقت ہونے کے باوجود حصول علم کی تمنا رکھتے تھے جن کا اظہار آپ نے مناجات میں کیا ہے ؎

مجھے کر علم دینی کا تو طالب   اسی افکار کو کر مجھ پہ غالب
تمہارے علم دیں کا مجھ کو دو شوق   رہے دائم اسی کا مجھ کو تا ذوق

آپ کو اپنی سلامت روی کے ساتھ دوسروں کی ہدایت کی بھی فکر دامن گیر رہتی تھی، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

بچالے کج روی سے مجھ کو یکسر   مرا کر خاتمہ ایماں کے اوپر
سلامت دوستوں کو رکھ ہمیشہ   ہدایت کا تو دے اعدا کو پیشہ

اپنی اولاد اور تلامذہ کے لئے بھی دعا گو ہیں ؎

مرے اولاد کو دے نیک توفیق   کریں تا علم کو حاصل بہ تحقیق
مرے شاگرد اور سب دوستوں کو   خداوندا مظفر رکھ بہرسو ۲۵

حضرت قدسی کی جملہ (غالباً ۱۴) تصنیفات میں سے ''مرأۃ الحرمین الاحضا معہ فضائل مسجد اقصیٰ'' نمایاں اور انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ دوسو صفحات پر مشتمل یہ سفرنامۂ حج وزیارت دیگر حج کے سفرناموں سے ان معنوں میں منفرد وممتاز ہے کہ اس میں تمام مقاماتِ مقدسہ، مساجد قدیمہ، آثار صحابہؓ، منبر ومحراب مسجد نبوی اور مصلائے مسجد حرام کے تذکرے کے علاوہ ان کی تاریخ، ان کے نقشے اور ان کے طول وعرض کی تحقیق بھی شامل ہے، اس مؤقر ومتبرک کتاب کی تصنیف حج وزیارت کے لئے آپ کی روانگی کے موقع پر ۱۲۸۵ھ میں شروع کی گئی اور حج سے واپسی کے سال ۱۲۸۶ھ میں اختتام کو پہنچی۔ مصنف موصوف نے اس کا قطعہ تاریخ کہا ہے ؎

از فضل خدا بحسن و خوبی   اب ختم ہوا ہے یہ اثاثہ
تاریخ کہا ہے اس کی قدسی   اعلام مسجد ثلاثہ ۲۶

۱۲۸۶ھ

مذکورہ کتاب مطبع دینیہ، جامع مسجد، لشکر گاہ، بنگلور سے ۱۲۹۰ھ میں طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئی۔

حضرت قدسی علیہ الرحمہ اپنے تبحر علمی اور اعلیٰ تدبر فقہی کے باوصف بہت زیادہ منکسر المزاج و متواضع تھے، دوست تو دوست دشمنوں سے بھی مکالمے کے وقت آپ کا لہجہ متوازن اور دھیما رہتا تھا، آپ کے اس حسنِ ادا کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے دوست مولانا سید شاہ فخر الدین صاحب صوفی قادری، ناظم مدرسۂ اسلامیہ، اوٹی (موجودہ ٹمل ناڈو) نے درج ذیل شعر کہے ہیں؎

علم ظاہر تھا آپ کا محکم ‏ ‏ ‏ علمِ باطن میں تھی نظر بقدم
اہل اسلام کے فدائی تھے ‏ ‏ ‏ کام کرتے تھے خیر خواہی کے
بھولے بھٹکوں کو راہ پر لائے ‏ ‏ ‏ بھولے بھالوں کو حق پہ ٹھہرائے
قدسی نیک نام نیک صفات ‏ ‏ ‏ ہنس کے کرتے تھے دشمنوں سے بات

آپ عالم و مفتی اور فقیہہ و محدث ہونے کے ساتھ ایک عمدہ پُر گو شاعر بھی تھے۔ قدسی تخلص فرماتے تھے، مقامی اثرات کے باوجود آپ کے کلام میں سلاست و روانی اور وسعتِ فکری و بلند خیالی قابل تحسین ہے، نموتاً حمد و نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں؎

حمد باری تعالیٰ:

نہیں یارا کسی کو حمد کا ہے ‏ ‏ ‏ کہ خود سینہ قلم کا شق ہوا ہے
کسی پر کب کھلے اسرارِ باری ‏ ‏ ‏ نہ مرغِ عقل کو اڑھنے کی یاری
اگر موئے بدن ہر اک زباں ہو ‏ ‏ ‏ نہ حمدِ حق سے اک شمہ بیاں ہو ۲۷

نعت سرور کونین ﷺ:

ہر اک شمس و قمر اور چرخ اخضر ‏ ‏ ‏ ہوئے ہیں نور سے انؐ کے منوّر
نہ ہوتا گر وہ سلطانِ دو عالم ‏ ‏ ‏ وجود جز و کُل ہوتا نہ آدم
ثریٰ سے تا ثُریا انؐ کا غُل ہے ‏ ‏ ‏ انہیںؐ کے ذکر میں سب جز وکُل ہے
وہ بے شک محرمِ رازِ خدا ہے ‏ ‏ ‏ لقب انؐ کا امام الانبیا ہے
ہو نازل روضۂ اقدسؐ پہ دن رات ‏ ‏ ‏ خدا سے لاکھ صلوات و تحیات ۲۸

آپ کا وصال بتاریخ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق جولائی ۱۹۰۵ء ہوا۔ آپ اپنے ہی نام کے قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

مآخذ وحواشی

۱۔ محمد علی اثر ڈاکٹر، انکشافات، مطبوعہ الانصار پبلیکیشنز، حیدر آباد، ۲۰۰۹ء ص:۱۲۹
۲۔ محمد اسحاق ڈاکٹر، انڈیا ز کنٹری بیوشن ٹو دی اسٹڈی آف حدیث لٹریچر'' ترجمہ شاہد حسین رزاقی، علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ'' مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔ مطبوعہ ۱۹۸۳ء ص:۱۰۹
۳۔ راہی فدائی، ڈاکٹر، قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے'' مطبوعہ الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد، ۲۰۰۹ء۔ ص:۳۵
۴۔ محمد قاسم بن غلام علی (متوفی ۱۰۱۷ھ) تاریخ فرشتہ بحوالہ ڈاکٹر محمد اسحاق۔ ص:۱۳۲
۵۔ محمد خورشید عالم ندوی، فخر کرناٹک شخصیات، مطبوعہ کرناٹک اردو اکیڈمی، بنگلور ۲۰۱۲ھ۔ ص:۴۳/۴۴/۴۵
۶۔ عبدالقدوس سید شاہ، مجموعۂ خطبِ مترجمہ، مطبع معسکر، بنگلور۔ بار سوم۔ مطبوعہ: ۱۳۱۷ھ
۷۔ محمد خورشید عالم ندوی، ص:۴۸
۸۔ مدرسہ جامع العلوم کے طلباء و اساتذہ کی تعداد اور مولانا سلامت اللہ رامپوری کا ذکر راقم الحروف سے شہر رامپور کے فاضل محقق مفتی، سید شاہد علی نوری، مہتمم مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ، رامپور نے بالمشافہہ گفتگو میں کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم انہیں کی تعمیر کردہ جامع مسجد (معسکر) کے پہلو میں واقع تھا، آج وہاں بلند و بالا عمارت بنائی گئی ہے۔
۹۔ قدسی عبدالقدوس سید شاہ علامہ، تذکرۃ النعمان، مطبوعہ مطبع رضوی، بنگلور ۱۳۲۵ھ۔ ص:۴۷۳
۱۰۔ راہی فدائی ڈاکٹر، دارالعلوم لطیفیہ، ویلور کا ادبی منظر نامہ، ابوالحسان اکادمی، کڈپہ۔ مطبوعہ ۱۹۹۷ء۔ ص:۲۰۴
۱۱۔ عبداللطیف سید شاہ قطب ویلور'' مکتوبات حضرت قطب ویلور'' (فارسی) ترجمہ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی۔
اشاعت کردہ دارالتصنیف والاشاعت، حضرت مکان، ویلور، مطبوعہ ۲۰۱۲ء۔ ص:۷۹
۱۲۔ وایضاً۔ ص:۸۰
۱۳۔ نجم الدین اصلاحی مولانا، مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۵۵/جلد دوم، مکتبۂ دینیہ، دیوبند مطبوعہ ۲۰۰۴ء۔ ص:۱۸۳
۱۴۔ محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء'' خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' جلد اول۔ دارالتصنیف، مدراس مطبوعہ ۱۹۶۳ء۔ ص:۳۸۱۔۳۸۲
۱۵۔ محمد یوسف کوکن عمری، کتاب مذکور۔ ص:۳۸۴
۱۶۔ وایضاً۔ ص:۴۷۱
۱۷۔ راہی فدائی، دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ۔ ص:۳۲۹
۱۸۔ وایضاً۔ ص:۲۲۸
۱۹۔ وایضاً۔ ص:۲۲۹
۲۰۔ وایضاً۔ ص:۲۳۷
۲۱۔ عبدالقدوس سید شاہ مولانا،'' شرح تحفۂ محمدیہ فی ردفرقۂ مرتدیہ'' مطبع فتح الکریم، بمبئی مطبوعہ ۱۲۹۹ھ۔ ص:۱۹۲
۲۲/۲۳۔ وایضاً۔ ص:۲۰۱
۲۴۔ ایضاً۔ ص:۲۱۶
۲۵۔ عبدالقدوس قدسی سید شاہ، تذکرۃ النعمان'' مطبع رضوی، بنگلور، ۱۳۲۵ھ۔ ص:۵/۶/۸
۲۶۔ عبدالقدوس سید شاہ، مرأۃ الحرمین الاحضا مع فضائل مسجد الاقصیٰ مطبع دینیہ، جامع مسجد لشکرگاہ، بنگلور ۱۲۹۰ھ ص:۱۹۸
۲۷۔ عبدالقدوس سید شاہ قدسی، تذکرۃ النعمان۔ ص:۷
۲۸۔ ایضاً۔ ص:۴۹۹

❖❖❖

حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ

پیش کش: حکیم سید محمد شاہ شاہِ عالم قادری

بن حاجی سید محمد شاہ بدرِ عالم قادری

سجادہ نشین خانقاہ و درگاہ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ

ولادت باسعادت : سید السادات شیخ المشائخ مولانا مولوی حضرت سید عبدالرحمٰن سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ بمقام نطہر نگر ترچناپلی میں پیدا ہوئے۔

اسمِ گرامی : آپ کا اسمِ گرامی سید عبدالرحمٰن ہے۔ اور آپ سید شاہ جامِ عالم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کا نسب : حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ سادات گھرانے سے ہیں۔ آپ کا نسب چالیس واسطوں سے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاری بن حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاری بن حضرت سید شاہ قدرِ عالم شاہ قادری شطاری بن حضرت سید شاہ بدر عالم شاہ قادری شطاری بن حضرت سید محمد قادری شطاری بن حضرت سید عبدالقادر شہید شطاری بیجاپوری........حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ

حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ مشہور و معروف بزرگ حضرت سید جلال الدین حسین مغدوم جھانیاں جہاں گشتؒ کی آل میں سے ہیں۔ آپ کے پڑدادا حضرت سید محمد قادری شطاریؒ اپنے دو برادر سید سیف اللہ قادری اور سید فخر الدین قادری کے ساتھ آرکاٹ سے ترچناپلی تشریف لائے اور یہاں پر مقیم ہوئے۔ حضرت سید محمد قادری شطاری کی شادی سیدہ فاطمہ صاحبہ بنت سید احمد صاحب سے ہوئی۔ سید احمد صاحب قاضی سید محمود بحریؒ کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ (۱) سید بدرِ عالم صاحب (۲) سید محی الدین صاحب (۳) سید نور الدین صاحب (۴) سید عثمان صاحب (۵) سید احمد صاحب۔ حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاریؒ اُس وقت کے مشہور بزرگ و ولی حضرت سید شاہ رحمت اللہ قادری سے دینی تعلیم و طریقہ تصوف و سلوک وغیرہ کی تربیت پائی۔ اور آپ نے آپ کو بیت و خلافت سے نوازا۔

حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاری ایک بہت بڑے مشہور بزرگ ہوئے۔ اور نواب محمد علی والا جاہ اور انکے ہم نشیں آپ کے معتقد میں سے ہیں۔ حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاریؒ کا نکاح فتح صاحبہ بن اسماعیل خاں، سیلم سے ہوئی۔ ان سے سید قدرِ عالم وغیرہ پیدا ہوئے۔ حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاریؒ کی درگاہ شریف تینور ترچناپلی میں ہے۔

حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ کی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار سے ہوئی اور آپ کو بیت و خلافت بھی اپنے والد بزرگوار سے ملی۔ آپ تصوف میں پہنچے ہوئے بزرگ تھے اور وقت کے نامور شیخ باصفا تھے۔ آپ اپنے والد پیر و مرشد کی محبت و

عزت افزائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ اپنی تصنیف کردہ مثنوی ارشاد المعانی و تنزلاتِ رحمانی میں جابجا اپنے پیرو مرشد والد صاحب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مثلاً

بیا کون اپنے پیرو مرشد کا وہی ہے قبلہ گاہ میرا
زمانے میں نہ کوئی ایسا مبارک ذات کے تائیے

بدرِ عالم رونقِ ارض و فلک — بدرِ عالم رونقِ ممک و سمک
بدرِ عالم رونقِ ہر جز و کُل — بدرِ عالم رونقِ فکرِ سبل
بدرِ عالم رونقِ فصلِ چمن — بدرِ عالم رونقِ ہر انجمن
بدرِ عالم رونقِ وصلِ عروس — بدرِ عالم رونقِ فصلِ جلوس
بدرِ عالم سا ملیا جب جوہر ہے — قدرِ عالم تب کیا یوں ہم لڑے

حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف کئے۔ مثنوی اور نثر کے طور پر ہیں۔ چنانچہ ارشاد المعانی و تنزلاتِ رحمانی تصنیف کردہ ۱۲۰۹ھ اور رفقہ محفوظ خوانی ۱۱۹۹ھ وغیرہ حضرت کی تصنیف کردہ کتابیں خلفاء و مریدین کے لئے نایاب اور فائدہ مند ہیں۔ حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ کو تین فرزند اور دو دختر تھے۔ فرزندان (۱) سید شاہ جامِ عالم (۲) سید شاہ قطبِ عالم (۳) سید شاہ مرتضٰی عالم۔ دختراں (۱) سیدہ کوند صاحب (۲) سیدہ پے پے صاحبہ۔

مولوی انور مرید نواب والا جاہ در بتن گفتہ بودن

قدرِ عالم صورتِ انسان ہے — روح جسکا معنی سبحان ہے
ہر سخن جسکا نزولا ہور عروج — رازِ حق سینِ کامل انسان ہے
جسم در عالم و جان در ذاتِ حق — او سراپا معنیٔ فرقان ہے
ہر حکایت ربطِ بیتِ مثنوی — او مغسر مولوی ذیشان ہے
جو خریدار ہووے تو اسرارِ حق — قدرِ حق کی تمہید کا دوکان ہے
کشتیٔ نوح سلیم جسکا دل — جو پریشان گردشِ طوفان ہے
مولوی انور نے بولا حسبِ حال — قدرِ عالم صاحبِ عرفان ہے

حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ کو اپنے والد سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاری کے پہلو میں مدفن کیا گیا ہے۔ حضرت کا مزار شریف تینور ترچنا پلی میں (Aruna Talkies) کے پیچھے اور گورنمنٹ ہاسپٹل کے قریب میں ہے۔ آپ اور آپ کے والد کی درگاہ مرجع خاص و عوام ہے۔

مولانا مولوی حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ ولیٔ کامل اور علوم کے ماہر تھے۔ شیخ با صفا اور علمِ کامل حقائق کے بحر

زخار اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ حضرت قرآن کریم کے مفسر اور اسکے مشکل مقامات کی وضاحت کرنے والے تھے۔ آپ ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے کامل رحم کا نمونہ تھے اور اہل ظالم وقتال کے لئے انتہائی سخت تھے۔ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ عوام الناس کو ہدایت کا راستہ دکھانے والے تھے۔ اور اعمالِ صالحہ کی تلقین کرتے تھے، لوگ آپ کے پاس گمراہی کی حالت میں آتے اور ہدایت کی دولت سے فیضیاب ہوکر واپس ہوتے۔ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ کو ہدایت کا علم یقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین اور عین الیقین حاصل تھا۔ آپ ہر مسلمان کو نصیحت کرتے تھے اور شریعت میں مجتہد کے درجہ پر فائز تھے۔ حضرت ہمیشہ ربِ ذوالجلال کی رضا وخوشنودی ہی میں رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ہمیشہ اہلِ علم حضرات کے ممدوح اپنے خالص تقویٰ وپرہیزگاری میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے تمام آرائشوں سے اپنے نفس کو پاک وصاف کرلیا تھا۔

آپ کی وصیت اور آپ کا وصال: اپنے مریدوں کو ذکر اللہ اور اعمالِ صالحہ کی تلقین کی اور قبر کے اردگرد مٹی کی دیوار بنانے کی وصیت کی اور یہ کہا کہ اُسکو مت کھولنا یہاں تک کہ میری طرف سے اجازت مل جائے اور اللہ کے ذکر پر اُن کی آواز بند ہوگئی۔ جب فرشتوں نے کہا اے پاک روح اپنے رب کی طرف خوشی خوشی کوچ کر، تو قطبِ عالم، جانِ عالم کی روح اس دارِفانی سے کوچ کرگئی۔ شعبان کے ۱۶ر تاریخ کو ۱۲۵۵ھ میں حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ اپنے رب سے جاملے۔ چنتامنی پٹی میں وفات پائی اور آپ ساٹھ سال کی عمر پائی۔

حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ ہدایت کے چاند اور کمالات کے اونچے درجے پر فائز تھے۔ عارفوں کے عارف اور علم کے بحرِ زخار تھے۔ انتقال کے بعد انہوں نے خواب میں اپنوں سے اس دروازہ کو کھولنے کا حکم کیا۔ اُن کے بلند وبالا مناقب و اوصاف سب پر عیاں ہیں، جنہوں نے ان سے طریقۂ شطاریہ میں فیض حاصل کیا۔ ان پر ان کا بڑا فضل واحسان ہے۔ آپ کی درگاہ شریف چنتامنی پٹی، کرور ضلع میں موجود ہے۔ آپ کے دربار میں میلادالنبی ﷺ اور گیارہویں شریف منعقد ہوا کرتا ہے۔

حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ کا سالانہ عرس ۱۶/۱۷ر شعبان کو بہت ہی عالیشان مرتبہ سے ہوا کرتا ہے۔ آپ کے معتقد دور دراز سے آتے ہیں اپنی مرادوں سے فیضیاب ہوکر جاتے ہیں۔

حکایت: چور نے ایک بادشاہ کو مرید بنایا

یہ حکایت حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری شطاریؒ بن سید شاہ بدرِ عالم قادری شطاریؒ کی تصنیف کردہ مثنوی ''ارشاد المعانی و تنزلاتِ رحمانی'' سے لیا گیا ہے۔

ایک بادشاہ بہت ہی ناموس تھا، مال و دولت سے مالا مال تھا، اُس کی بہت ہی شان وشوکت، اونچی ہمت، بلند حکومت، حشمت وشوکت، اس کے جلوس سے ظاہر ہوتی تھی۔ اُس کا دل بردوباری، حیا کا خزینہ تھا، اور ہمیشہ اپنی نفس کو خوفِ خدا میں رکھا تھا۔ اور حق تعالیٰ کے دیدار کی اُمید صبح وشام تھی۔ دل بستگی میں اُس کا دل صاف تھا۔ اُس کا ارادہ رازِ حق میں مشتمل تھا۔ وہ بادشاہ نوجوان بہت ہی زیادہ عقیدت مند تھا۔ شاید ہی ایسا کوئی عارف ہو جو اپنی عقیدت کو خود بخود سمجھنا اور وہ گھر کو آجائے تو کرم کی بارش

ہو جائے۔

اُس کے دل کی ہمیشہ یہی عقیدت تھی اور وہ خدا کے افضال سے ہمیشہ ہی راضی تھا وہ بادشاہ ہمیشہ ایسی تدبیر میں تھا کہ ہر فکرِ طلب پر اپنی نگاہ رکھتا تھا۔ایک رات وہ نیک دل بادشاہ اپنی اہلیہ کے ساتھ آرام فرما تھا،کوئی بھی شور وغل نہ تھا۔بادشاہ کا پورا قبیلہ نیند میں مست تھا۔بادشاہ فکرِ دل سے نیم خواب میں تھا۔اور عورت اپنا تمام زیور نکال کر گھڑی میں باندھ کر ایک طرف ڈال دی۔اتفاق سے اُس وقت ایک چور محل میں داخل ہوا۔چور نے محل میں سارا سامان ڈھونڈا،زیور کا بستہ اُٹھایا،زیور کو لے کر بھاگنا ہی چاہتا تھا،فوراً بادشاہ ہوشیار ہو گیا۔چور کو کچھ بھی نہیں سوچا۔وہ گھڑی پاؤں میں رکھ کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔اللہ اکبر بول کر بے نیاز مصلے پر نماز شروع کر دی۔رکوع اور سجدے ترکیب سے کئے۔فاتحہ و قرأت میں خشوع و خضوع تھا،بادشاہ دیکھ کر حیران ہوا اور اپنے دل میں خوف و خطر کرنے لگا۔دل میں ہی التجا تھی خدا نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میرا مدعا ہی آیا ہے۔اور جو عقیدت کا دل میں نور تھا وہ اُٹھا۔اس کے بعد بادشاہ اُس کے پیچھے دست بستہ ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔چور نے اپنی دوگانہ نماز پوری کی اور بڑے سکون کے ساتھ سلام پھیرا،پھر دیکھا کہ بادشاہ باادب کھڑا ہے۔اُس چور نے بادشاہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔بادشاہ بڑے ہی ادب سے بیٹھا،جیسے مرید معتقد ہو،پھر اُس چور نے بادشاہ سے پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے۔بادشاہ نے اس آواز کو سن کر یوں التجا کی "خدا کی جناب میں جس کو تو اسے ملاقات سے بہریاب کر دے تو تیری مہربانی ہے" کوئی خود بخود عقیدت کو پہچان کر یہاں آیا ہے،اور اس کو کشف ہوا ہے،جس طلب کا ارادہ اُس کے دل میں تھا،بادشاہ نے سوچا،اس طلب کا آج رات اظہار ہو جائے،حق تعالیٰ نے مجھکو مادی مدعا دکھایا ہے۔اب تم مجھ کو بیت کرو اور رازِ خدا سے نوازو۔اس طرح بادشاہ سلامت مریدِ معتقد ہوئے تاکہ دل کو سکون حاصل ہو۔تب کہا اس پیر (چور) نے اللہ کا ورد صبح شام رکھو،یہ بات سن کر بادشاہ کو سکون حاصل ہوا اور ہر بات دل پر کشف ہو گئی۔چور پر کوئی بھی اعتقاد نہیں ہوتا ہے،لیکن جب دل پر اعتقاد کا ظہور ہوتا ہے تو چور کے یہاں بھی خدا کا نور ملتا ہے۔اور جب دل میں یقین ہوتا ہے تو چور کے مظہر میں حق نظر آتا ہے۔اور اعتقاد دل نے پردے کے راز کو جان لیا اور اللہ پر ہر راز و نیاز کشف ہو گیا۔اور وادیٔ یمن پر جو نگاہ ڈالی تو ہر چیز سنتی دکھائی دی۔اب اس حکایت کی باقی گفتگو دوسری مثالِ گفتگو کے بعد۔

ایک جنگل میں ایک پیر تھا وہ شہر و گاؤں میں مشہور تھا۔اس کا ایک پیر معتقد ایک دن شہر میں آیا،کسی کام کی وجہ سے وہ راستہ میں ایک طرف چلا جا رہا تھا،کیا دیکھتا ہے کہ چار طرف سے مخلوق آ رہی ہے۔ایک تجمل کی سواری کو سامنے آتے دیکھا،شہر کا عالم اس طرف چلا آ رہا ہے۔بادشاہ بھی اس کے جلو میں پیادہ آ رہا ہے۔ہر شخص ڈوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ایک سے پوچھا کون ہے؟۔یہاں کیوں آتے ہو؟۔بولا حضرت نظام الدین ولی ہیں اُن کی زیارت کو آتے ہیں۔وہ مرید اُن کا نام سن کر کھپایا اور لاحول پڑھا گھر میں گھس گیا۔ایک شخص نے یہ الفاظ سن کر غصہ میں کہا۔معتقد عالم میں تم نے یہ کیا کہا،ایک آدمی نے آپ کا نام سن کر آپ پر لاحول پڑھی اور گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔سب تو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس آدمی نے آپ کا نام سن کر منہ پھیر لیا۔تب حضرت نظام الدین ولی نے اپنی سواری لائے اور اس شخص کے گھر گئے،پھر بولے او بھئی یہاں آؤ،تو اُس آدمی نے کہا،میں ہرگز

باہر نہیں آؤں گا اور نہ تمہارا منہ دیکھوں گا۔ تم کو دیکھ کر اور حضرت عالی نزاد اپنے دل کا اعتقاد کیوں کم کروں۔ ایک صورت میری اُن میں سے اور دوسری کسی اور میں، میں غریب ہوں، میرا پیر غریب، ہم اپنے خدا کے دیئے پر شاکر ہیں، تم کو دیکھ کر دل میں حرص و لالچ پیدا ہو، میں اپنے منہ کو کیوں لعنت کا توا بناؤں۔ اے حق پسند میں تمہارا منہ نہ دیکھنا چاہتا ہوں، بس میرا پیر ہی مجھ کو پسند، یہ گفتگو سن کر حضرت نظام الدین ولی نے آفرین وشاباس کہا، اس مرید معتقد اور پیر کو کشف کے ذریعہ ولایت بخشی۔

جس کا دل نہ ہوگا صاف و شریف تو کشف ولطیف کہیں نہیں پا سکتا۔ نور ایک دل ہے اس نور کو دل ہی دیکھ سکتا ہے۔ نور دل کی سماعت کا ظہور ہے۔ نور دل کی زبان میں بات کرتا ہے۔ جس کو دیدارِ دل نہ ہوے اُس سے احمق اچھے ہیں۔ بغیر دل کے کوئی کام کرنا چاہو تو وہ بیکار ہے۔ جب تو دل کے اعتبار سے بولے گا تو قابلِ اعتبار ہوگا۔

انسان ہی ہے جو ذوالجلال کی امانت کا بار اٹھایا۔ اور یہ دل انسان کا صاحبِ کمال ہے۔ اسلئے آدمی کو سجدہ کرنے کا آسمان سے حکم ہوا اور ہر گھڑی جبرئیل کے دل پر جھلک حاصل ہوئی۔ اب یہاں سے بادشاہ اور چور کی بقیہ حکایات بیان کرتے ہیں۔ مصنف کہتے ہیں کہ بادشاہ اور چور کی گفتگو میں سادنا (راز) روشن ہوگیا اور پیر کو شانِ رخصت کیا۔ پھر اس چور نے شاہ سے کہا کہ میرے ساتھ گھر تک کے لئے آدمی ساتھ بھیجو۔ فوراً بادشاہ نے اس کے ساتھ ایک نفر بھیج دی۔ اسطرح چور خوش خوش اپنے مکان پہنچا۔ شاہزادی جب صبح کو بیدار ہوئی تو دیکھا سامان ادھر اُدھر ہے۔ شاہ کو دیکھا تو شاہ پر راز حق ظہور دیکھا۔ پھر شاہ پر ایک نظر ڈالی تو آنکھیں پیلی ہیں رنگ زرد ہے۔ اس نے شاہ سے اس کیفیت کے بارے میں پوچھا، تو شاہ نے سارا ماجرہ سنایا جو رات میں پیش آیا تھا۔ اس پیر کے ساتھ پھر زیور کی طرف دیکھا تو وہ غائب تھے۔ پوچھا یہاں سے کون لے گیا؟۔ جب شاہ چور کے بارے میں سنا تو تعجب ہوئے۔ تب معلوم ہوا چور مجھ کو دھوکہ دے کر زیور لے گیا۔ بادشاہ نے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور حق پر اپنی نگاہ رکھی۔ شاہزادی سے کہا اس بات کو تم بھی پوشیدہ رکھنا۔ الغرض شام کو بادشاہ نے اُس چور کو باعزت واکرام کے ساتھ بلایا۔ جب وہ شخص شام کو شاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کے قربت کا نور دیکھا، بادشاہ کو دیکھ کر دل میں شرمندہ ہوا اور اپنے فعلوں پر نادم ہوا۔ شرمندگی کے بعد دل پھر گیا اور اپنے افعال سے توبہ واستغفار کیا۔ اپنے تمام فعل چھوڑ کر صالح اور نیک ہوگیا۔ چور میں شاہ میں راز پایا۔ شاہ نے اس کو سرفراز کر دیا۔

چور نفسِ انسانی ہے جو ہر گھڑی مکر و دغا کرتا ہے۔ شاہ حضرت روح لطیف ہے آمد حق نورِ محمدی شریف ہے جس کے دل میں عرفان اور نور محمدی ہے تو یہ بات اس چیز پر شاہد ہے کہ اس میں روح سرمدی ہے۔

دل روح کا مظہر ہے اور دل کا مظہر نفس ہے۔ اس مٹی کے جسم میں اس نفس کا مظہر جسم سافلات ہے۔ جسم کا مظہر اس کے فعل و فاعلات ہے۔ یعنی کارنامے میں ان تمام مظہر میں سب مظہر ہیں۔ ہر چیز کا ظاہر کرنے والا کوئی حقہ ضرور ہے۔ ہر چیز کو ہر چیز میں دیکھو۔ یعنی روح کو دل میں دیکھو۔ دل کو نفس میں۔ نفس کو جسم میں۔ جسم کو اس کے کارنامے میں دیکھو۔

عہد حاضر میں پیغام حضرت بندہ نوازؒ کی معنویت واہمیت

ڈاکٹر سید سجاد حسین،
سابق پروفیسر وصدر شعبۂ عربی، فارسی واردو،
مدراس یونی ورسٹی، چنئی

حضرت انساں خیر وشر کا مرکب ہے۔ جب بھی کسی قوم میں شر نے اپنی حد سے گذر کر بدکاریوں اور برائیوں کو ابھارا تو اللہ تعالی نے قوموں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اس طرح دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے اور اپنی اپنی امتوں کے تئیں خیر سگالی وصلہ رحمی کا معاملہ فرماتے رہے اور یہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔ اس کے بعد خلفائے راشدین نے امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے ہوئے کتاب وسنت پر عمل پیرائی کی ترغیب دلائی۔ بعد ازاں ائمہ کرام نے رشد وہدایت کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور وہ امت مسلمہ کو راہ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔ اس طرح دعوت وتبلیغ کا یہ کام ہر دور میں کم وبیش ہوتا رہا حتیٰ کہ اولیائے کرام، علمائے دین، مشائخ طریقت اور صوفیائے عظام نے اپنے رشحات وملفوظات اور اقوال واعمال سے امت مسلمہ کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی جس کی بدولت ایک طرف ایمان وایقان کی شمعیں روشن ہوئیں تو دوسری جانب اللہ اور اللہ کے رسول تک رسائی کی راہ ہموار ہوتی گئی اور انشاء اللہ العظیم قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ صوفیا واولیاء دراصل اخوان الرسول کی جماعت کا نام ہے۔ ایک مسموع روایت کے مطابق ایک بار نبی کریم ﷺ نے اپنے اخوان کا تذکرہ کیا۔ صحابہ نے دریافت کیا حضور کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو میرے اخوان ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے میرے اخوان میرے بعد پیدا ہوں گے اور بن دیکھے مجھ سے محبت کریں گے اور میری دید کے مشتاق ہوں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے صحابہ کو صوفیاء اولیاء ومشائخین کی بشارت دی تھی۔

اکیسویں صدی سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقیات سے عبارت ہے۔ حیات انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں اس کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں۔ عصر حاضر میں جہاں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مواصلاتی نظام نے دنیا کو سمٹ کر گلوبل ولیج (Global Village) میں تبدیل کر دیا ہے وہاں مغرب کی ننگی وکھوکھلی تہذیب کی یلغار سے دنیا کا کوئی ملک

اورکوئی معاشرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ مادہ پرستی، بے ضمیری، بے دینی اور خواہشات نفسی عام ہوگئی ہیں۔ اخلاقی وتہذیبی زوال نے انسانی اقدار کو پامال کردیا ہے۔ معاشرہ لوٹ کھسوٹ، دہشت گردی، استحصال پسندی کا مرتکب ہوگیا ہے۔ باپ بیٹا، ماں بیٹی، ساس بہو، شاگرد استاد اور بھائی بھائی کے مقدس رشتے اپنا وقار کھو چکے ہیں۔ دنیا سودی کاروبار کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ انسانوں کے مابین خلوص، بھائی چارہ، رواداری اور ایثار وقربانی کا احساس باقی نہ رہا۔ آپسی میل جول، فلاح و بہبود اور ہمدردی کی بجائے بے حیائی عام ہوگئی ہے۔ دولت کمانے کی لالچ میں انسانیت خطرہ میں پڑگئی ہے۔ خون سستا اور پانی مہنگا ہوگیا ہے۔ ہر طرف قتل وغارت گری، مذہب کے نام پر دنگا فساد، خون خرابا، ذات پات کے نام پر عناد و دشمنی، فرقہ وارانہ منافرت کے سبب آج کی مہذب دنیا میں زندگی بسر کرنے والا ہر شخص اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے اس لئے اکیسویں صدی کا معاشرہ جو چین وسکون اور امن وعافیت کی تلاش میں سرگرداں ہے اسے یہ امن وآشتی حضرت خواجہ بندہ نواز کے پیغام وتعلیمات میں مل سکتی ہے۔

خواجہ دکن سلطان القلم، قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ چودھویں صدی عیسوی کے ایک برگزیدہ عالم متبحر، صاحب کشف بزرگ، بلند پایہ مصنف اور قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ عارفوں کے سلطان اور اولیاء کے امام ہیں۔ آپ کی پیدائش دلی میں ۴/رجب ۷۲۱ھ مطابق ۳۰/جولائی ۱۳۲۱ء کو ہوئی۔ ۳۶ برس کی عمر میں حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ دلی میں آپ ۴۴ برس تک بندگان خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ ۸۰۱ھ میں آپ نے دلی کو خیرباد کہا اور ۸۰۳ھ کو گلبرگہ میں آپ کا ورود مسعود ہوا۔ اس وقت فیروز شاہ بہمنی حکمراں تھا وہ بہ نفس نفیس فیروز آباد سے مع عمائدین وامرا گلبرگہ حاضر ہوا اور بڑے تزک واحتشام سے ان کا شایان شان استقبال کیا تھا۔ سلطان فیروز شاہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی عظمت وجلالت سے متاثر ہوکر آپ کے حلقہ معتقدین میں شامل ہوگیا تھا۔ عبدالجبار ملکاپوری لکھتے ہیں کہ سلاطین بہمنیہ پہلے حضرت سراج جنیدی کے مرید ہوا کرتے تھے۔ سخاوت مرزا رقمطراز ہیں کہ خواجہ بندہ نوازؒ جب دکن تشریف لائے تو بڑے بڑے جید علماء وفضلا ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کی تمنا کرنے لگے۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی انھیں سے ملاقات کے لئے گلبرگہ تشریف لائے تھے۔ 'لطائف اشرفی' جو حضرت جہانگیر سمنانی کے ملفوظات پر مشتمل ہے اس میں ان کے مرید خاص نظام جامی غریب یمنی نے اپنے مرشد کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت سمنانی خواجہ بندہ نواز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ایسے حقائق ومعارف سے انھیں روشناس کرایا جو دوسرے مشائخ طریقت ان پر منکشف نہیں کرسکے تھے۔ خواجگان چشت میں انھیں یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف نثر نگار تھے۔ اسی وجہ سے انھیں سلطان القلم کا لقب عطا کیا گیا تھا۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ ۲۲ برس تک دکن کے عوام کو فیض یاب کرتے ہوئے ۱۰۵ برس کی عمر میں ۱۶/ذی قعدہ ۸۲۵ھ کو وفات پائی۔ آپ کے وصال کی تاریخ 'مخدوم دین ودنیا' سے نکلتی ہے۔

بندگی مخدوم، کعبہ صوفیان باصفا، صاحب اسرار مصطفیٰ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ حسب نسب کے اعتبار سے حسینی سید ہیں۔ صاحب 'سیئر محمدی' حضرت محمد علی سامانی لکھتے ہیں کہ حضرت کا سلسلہ نسب ۲۲ واسطوں سے حضرت رسالت مآب ﷺ سے جاملتا ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں میں حضرت خواجہ حسن بصری سے لے کر حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی تک کوئی اس قدر کتابوں کے مصنف نہیں گزرے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تقریباً تمام علوم و فنون میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ صاحب 'آب کوثر' کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا جس طرح تصوف اور عرفان کی منزل میں اونچا درجہ ہے اسی طرح عمل و فضل اور تصنیف و تالیف کی تاریخ میں ان کا نام روشن ہے۔ حضرت بندگی مخدوم کو ان کے پیرو مرشد اور معتقدین نے بہت سے القاب سے نوازا تھا۔ آپ کا لقب 'گیسودراز' آپ کے شیخ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کا عطا کردہ ہے۔ صاحب 'تبصرۃ الخوارقات' میں حضرت سید من اللہ حسینی نے آپ کا لقب صدرالدین بتایا ہے۔ بندہ نواز حضرت کے معتقدین کا دیا ہوا لقب ہے۔ دکن میں آپ کو احترام و عقیدت کے ساتھ حضرت بندے نواز کہا جاتا ہے۔ آپ کا یہ عوامی لقب گیسودراز سے بھی زیادہ مشہور ہے بلکہ عوام میں حضرت کی وفات کا مہینہ یعنی ذی قعدہ بندے نواز سے موسوم ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے سینکڑوں عقیدتمندوں اور اہل قلم حضرت نے آپ کو ادب و احترام سے مخدوم من، بندگی مخدوم، ولی الاکبر، الصادق مرشد، بلند پرواز عاشق، شہباز، قطب الاقطاب، سلطان العاشقین، سلطان الاولیاء، صاحب کشف و کرامات، مرشد جہانیاں، ہمراز مصطفےٰ، قطب الصمدانی وغیرہ کے ناموں سے بھی یاد کیا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کو تقدم زمانی حاصل ہے اسی لئے ہندوستان کو چشتیوں کا ملک کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب کے معمار اور دکنی زبان کے اولین مصنفین اور شارحین بھی یہی مشائخ چشت ہیں۔

حضرت بندہ نواز گیسودراز کا پیغام اتنا موثر اور ان کی تعلیمات کا دائرہ اتنا وسیع تر ہے کہ اگر ان پر اہل دنیا عمل پیرا ہو جائے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ دنیا دارالسرور اور امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔ حضرت بندگی مخدوم کا موقف یہ تھا کہ اگر اولادِ آدم حب الٰہی، اطاعت رسول، رضائے حق، صفائی قلب، اخلاص نیت، اخلاق حمیدہ، خدمت خلق، صبر و شکر اور عبادت و ریاضت اختیار کریں تو ان کے قلبی امراض کا نہ صرف سد باب ہوگا بلکہ ان کا شمار صادقین و عارفین میں ہونے لگے گا۔ دیگر اہل تصوف کی طرح حضرت بندہ نواز کا موقف بھی یہی رہا ہے کہ دنیا کی ساری برائیوں کی جڑ انسان کا نفس

ہے۔نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے عمدہ خصائل سے آراستہ اور رذائل سے پاک ہو جائے تو انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔
ظاہری طہارت حاصل ہونے کے بعد ہی باطنی طہارت حاصل ہو سکتی ہے۔چنانچہ حضرت خواجہ بندہ نواز فرماتے ہیں۔

'اخلاق کی اصلاح اس وقت ہوتی ہے جب تزکیہ نفس ہو اور نفس کا تزکیہ اس وقت ہوتا ہے جب شریعت کی قیادت تسلیم کی جائے۔لہذا جب شریعت کی قیادت حاصل ہو جاتی ہے تو ایمان وعقائد کی درستگی اور اصلاح قلب کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے صوفیا کے نزدیک تصوف زندگی کے تقاضوں سے چشم پوشی یا سماجی ذمہ داریوں سے فرار کا نام نہیں ہے۔جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انھیں اپنی غلط فہمی کو دور کر لینا چاہیے۔کیونکہ ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا رکھے اور لنگوٹھی باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھائے بھی اور جائز شئے کو روا بھی رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی خواہش نہ کرے اور دل کو دنیاوی خواہشات کا غلام نہ بنائے۔گویا شرع کی پابندی کے ساتھ تزکیہ نفس کا نام ہی تصوف ہے۔لہذا معلوم یہ ہوا کہ تصوف کے بغیر کوئی انسان کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کوئی کامل مسلمان نہیں بنتا تب تک وکامل انسان بھی نہیں ہوگا اسی لئے تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔
بعض علمائے متاخرین کے نزدیک تصوف فقہ باطن کا نام ہے اسی لئے تصوف کو روح عمل بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت بندگی مخدوم سے کسی مرید نے یہ سوال کیا کہ دنیا کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قیامت کے دن جو چیز اس کے کام نہ آئے وہ سب دنیا ہے۔اس لئے آپ نے اپنے مریدوں کو نیک اعمال اور صلہ رحمی کی تلقین کرتے ہوئے ہمیشہ یہ صلاح دی ہے کہ وہ دنیاوی معاملات کو درست رکھیں، عدل وانصاف قائم کریں اور نیتوں کو صاف رکھیں۔کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔اسی لئے بدخواہی، بدنیتی اور بے دلی سے کیا گیا بظاہر نیک عمل بھی صوفیا کے نزدیک بے ثمر ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز نے اپنے مریدین سے نفس کو سرکشی سے باز رکھنے اور اس کے زور کو توڑنے کے لئے تین باتوں کی تلقین کی ہے؛

ایک یہ کہ نفس کو خواہشوں اور لذتوں سے روکیں
دوسرے یہ کہ عبادت وریاضت کا بوجھ اس پر لادیں
تیسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ سے امداد مانگیں اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈیں

اگر ان تینوں چیزوں پر قائم رہو گے تو تمہارا نفسِ سرکش تمہارا فرمانبردار ہو جائے گا اور لگام قبول کر لے گا۔جب

ایسی حالت دیکھو گے تو جلدی سے تقویٰ کی لگام اس کے منہ میں ڈال دو کیونکہ نفس جب قابو میں آ گیا تو سمجھو کہ تقویٰ کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تمھیں باطل میں مشغول کر دے گا۔

بھولے بھٹکوں کی خبر گیری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑے پہنانا اور حاجت روائی کرنا ہر مذہب میں کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کی زندگیاں خیر سگالی کے ایسے ایسے نمونے پیش کرتی ہیں کہ سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ کئی دن کا بھوکا فقیر حضرت بندہ نواز کی چوکٹ پر حاضر ہوا اور گڑ گڑا کر مانگنے لگا۔ اتفاق سے حضرت کے دسترخوان پر صرف ایک آدمی کا روکھا پیکھا کھانا میسر تھا تو حضرت نے کچھ وقفہ کے لئے عالم کشف میں آنکھیں بند کیں پھر توکلت علی الله کہہ کر حضرت نے اس فقیر کو اندر بلایا اور دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھایا اور اس کی خوب مہمان نوازی کی۔ حضرت کے مرید خاص اور خادم محمد علی سامانی کیا دیکھتے ہیں کہ دسترخوان پر انواع و اقسام کی نعمتیں چنی ہوئی ہیں اور کئی دن کا بھوکا فقیر سیراب ہو کر کھانا کھا رہا ہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے اقبال نے کہا تھا

ع عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

حضرت خواجہ بندہ نواز خود بھی بڑے مہمان نواز تھے اور اپنے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ کوئی بھی مہمان جو آپ کے دربار میں آتا کبھی خالی ہاتھ اور خالی پیٹ نہیں لوٹتا تھا۔ حضرت بندہ نواز فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی زندہ آدمی سے ملاقات کے لئے آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردہ کی زیارت کی۔ لہذا مہمان کو اپنے لئے باعث برکت سمجھا جائے اور اس سے غفلت نہ برتی جائے۔

ملک میں امن و عافیت کو قائم رکھنا انسان دوستی اور بھائی چارگی کے ماحول کو بنائے رکھنا حکومتوں اور حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن اس کام کی بنیاد سینکڑوں برس پہلے ہمارے صوفیوں، بزرگوں اور مشائخین طریقت نے رکھ دی تھی۔ حضرت بندہ نوازؒ اپنے اقوال و اعمال اور حسن سلوک سے جہاں غیر مسلموں کو اپنا گرویدہ بنایا وہاں معاشرہ میں انسان دوستی، رواداری اور اتحاد و اتفاق کا ماحول قائم کرنے کے لئے ایسی رسومات اور طریقے اختیار کئے جن سے مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت سے مربوط ہونے کا زرین موقعہ فراہم ہوگیا۔ عید برات کی محفلیں، میلے ٹھیلے، عرس کا اہتمام، قوالی کی محفلیں اور مولود خوانی کی بدولت رنگ و نسل کی برتری کا سد باب کیا گیا۔ ہندو مسلم کے درمیان اکثریت اور اقلیت کی تفریق ختم

ہوگئی۔اس طرح حضرت بندہ نوازؒ کی اس روش سے میل ملاپ اور قومی یکجہتی کی فضا ہموار ہوگئی۔

اس دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے جتنے بھی اعمال حسنہ ہیں ان میں صبر و رضا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔اسی لئے حضرت بندہ نوازؒ نے صبر و رضا کو کامیاب زندگی گزارنے کا ایک اہم آلہ کار بتایا ہے۔معاشرہ کی سالمیت کا انحصار افراد کے صبر و شکر پر ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اللہ مع الصابرین ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے **انما یوفی الصابرین بغیر حساب** (صبر کرنے والوں کو اس کا بدلہ بے اندازہ دیا جائے گا۔) صبر کی حقیقت اتنی بڑی ہے کہ خدا نے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا ہے۔شیخ ابوالحسن بن سالم کا قول نقل کرتے ہوئے حضرت بندہ نوازؒ نے صبر کرنے والوں کی تین قسمیں بتائی ہیں؛

۱۔متصبر ۲۔صابر ۳۔صبار

اولالذکر وہ ہے جو کبھی صبر کرتا ہے کبھی گھبرانے لگتا ہے۔صابر وہ ہے جو فی اللہ باللہ صبر کرے اور بے صبری نہ کرے مگر اسے نام و نمود کی توقع ہوتی ہے اور اس کے گھبرانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔صبار وہ ہے جو فی اللہ باللہ صبر کرے اور اگر اس پر تمام مصائب ہی کیوں نہ نازل ہو جائیں تو بھی وہ گھبراتا نہیں۔ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ لوگوں کو صبر کے بارے میں درس دے رہے تھے اتنے میں آپ کے پاؤں میں بچھو ڈنک مارنے لگا۔لوگوں نے کہا آپ اسے ہٹاتے کیوں نہیں۔آپ نے فرمایا مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں صبر کی حالت کے بارے میں گفتگو کروں اور پھر فوراً اپنے اس کلام کی مخالف بھی کروں۔اسی لئے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ فرماتے ہیں کہ صبر کے ساتھ راضی بہ رضا ہونا اہل طریق کی مخصوص پہچان ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رضی اللہ عنہم و رضو عنہ (یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) اخلاص و یقین سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے۔حضرات صوفیاء کو مقام رضا میں ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اکثر رنج و مصیبت کی آرزو کرتے ہیں جس قدر مصائب جھیلتے ہیں اسی قدر قوت برداشت بڑھتی ہے اور اس میں ان کو مزہ ملتا ہے بقول غالب؛

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جو کوئی تسلیم و رضا کی مسند پر بیٹھے اسے اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور شیخ یحییٰ

بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ مقام رضا پر فائز ہونے کے لئے چار اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔

۱۔اے خدا جو کچھ تو مجھے دے میں قبول کرتا ہوں

۲۔اور اگر تو نہ دے تو اس پر بھی راضی ہوں

۳۔اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں اس وقت بھی تیری عبادت کرتا رہوں گا

۴۔اگر تو مجھے بلائے تو ہر وقت تعمیل حکم کے لئے حاضر رہوں گا۔

صوفیاء تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ مان کر اس کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔وہ خدمت خلق کے سارے کام صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ہی کیا کرتے تھے۔ذاتی مفاد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔صوفیاء کے نزدیک خدمت خلق وہ بہترین عمل ہے اگر قرآن واحادیث کے مطابق کیا جائے تو وہ عین عبادت ہے۔اسی لئے صوفیائے کرام مخلوق سے محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔لہذا ان کے نزدیک دوست ہو یا دشمن اپنا ہو یا غیر مسلم ہو یا غیر مسلم سبھی یکساں اور ایک اللہ کے مخلوق ہیں۔اس بات کے پیش نظر حضرت بندہ نواز اپنے مریدوں کو اس حدیث پر عمل کرنے کی ہمیشہ تلقین فرماتے تھے؛

''تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب تر مخلوق وہ ہے
جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

خدمت خلق کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت بندہ نواز فرماتے ہیں'' ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ خدا تک پہنچنے کے لئے کتنے راستے ہیں جواب دیا کہ موجودات عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلق خدا راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔'' اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدمت صرف یہی نہیں ہے کہ ضرورت مندوں کی مالی مدد کی جائے بلکہ غم کے ماروں کے دکھ درد میں شریک ہونا ان کی باتیں سننا، انھیں تسلی دینا، ان کے دلوں میں محبت کی شمعیں روشن کرنا اور انھیں نیکی کی طرف راغب کرنا بھی خدمت خلق ہے۔حضرت بندہ نواز نے خدمت کے ان تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے خود بھی خلق خدا کی راحت کا سامان فرمایا اور اپنے مریدوں اور عوام الناس کو اس کی ہدایت وتلقین فرماتے رہے؛

ع طریقت بجز خدمت خلق نیست (طریقت خدمت خلق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے)

حضرت بندہ نواز کی ان تعلیمات پر غور کریں تو ان کے اندر حب الٰہی، اتباع رسولؐ، خوف آخرت، تزکیہ نفس، خدمت خلق اور مساوات کا درس پنہاں نظر آتا ہے۔ان تعلیمات کی عصری معنویتوں کا صحیح اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے جب موجودہ عہد میں مروجہ تعلیمات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر ہماری نظر ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید علوم کی فیض رسانیوں اور برکتوں نے انسانی ترقیات کے ہزار ہا راستے کھول دئے ہیں۔لوہا جیسے بے جان مادہ کو چلنے پھرنے، دوڑنے

اڑنے یہاں تک کہ بولنے کی صلاحیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ موجودہ علوم کا ہی فیضان ہے کہ انسانوں نے چاند پر کمندیں ڈالیں، ہواؤں کو مسخر کیا، سمندر کے سینے میں اپنا مسکن بنایا اور آگ کو اپنے اشاروں کے تابع کیا لیکن ان سب کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علوم جدیدہ کی یہ حیرت انگیز حصولیابیاں انسانی ترقیات کی وہ داستان ہے جو مادہ سے شروع ہو کر مادیت پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تعلیمات صوفیاء کے نتائج واسرار پر غور کریں تو یہ منکشف ہوگا کہ پانی، مٹی، آگ اور ہوا کی تسخیر یہاں بھی ہوئی لیکن یہ تسخیری عمل نہ مادہ کا محتاج اور نہ ہی ان پر مادیت غالب آسکی ہے۔ بلکہ یہاں تو ایک صحت مند، پرامن اور صالح معاشرہ کتاب وسنت کے مطابق تشکیل پاتا ہوا نظر آتا ہے۔ لہذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت بندہ نواز کی تعلیمات وخدمات اور ان کے پیغام کی اہمیت ومعنویت کو شرح وبسط کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح تک پہنچانے کی ضرورت ہے تا کہ عقائد ومسلک اور رنگ ونسل کے امتیاز کو مٹا کر پھر سے انسانوں کے درمیان فرقہ ورانہ ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور اخوت ومحبت کا ایک خوشگوار اخلاقی اور روحانی ماحول قائم کیا جا سکے۔

حواشی:

۱۔ جوامع الکلم مرتبہ حضرت سید اکبر حسینی
۲۔ فوائد (مکتوبات کا مجموعہ) حضرت خواجہ بندہ نواز
۳۔ تاریخ ادب اردو ڈاکٹر جمیل جالبی
۴۔ تاریخ ادب اردو سیدہ جعفر
۵۔ حضرت خواجہ بندہ نواز سے منسوب دکنی رسائل م۔ن۔ سعید
۶۔ تذکرہ خوارقات من اللہ حسینی
۷۔ آداب المریدین حضرت خواجہ بندہ نواز
۸۔ گیسوئے اردو (دکنی نمبر) اپریل ۲۰۱۵ء شعبہ اردو، گلبرگہ یونی ورسٹی
۹۔ رسالہ 'ادب وثقافت' دسمبر ۲۰۱۵ء شعبہ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدر آباد

☆☆☆☆☆

شاطرؔ حکیمی کی منظومات

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد
پروفیسر، شعبہ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی، چنئی

میر تقی میرؔ کے چھ ضخیم دیوانوں میں کہا جاتا ہے کہ صرف بہتر نشتر ہیں ان بہتر اشعار سے میرؔ کو صف اوّل کا شاعر تسلیم کرلیا گیا۔ اسی طرح غالبؔ نے اشعار کے انبار نہیں لگائے بلکہ ان کا دیوان بالکل مختصر ہے لیکن آج دو صدیوں سے بھی زیادہ کا عرصہ بیت چکا مگر ان کے کلام میں آج بھی لوگ نئے نئے نکتے تلاش کر رہے ہیں۔ ان کے کلام کے افہام و تفہیم پر ہزاروں کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ یعنی معیار قائم کرنے کے لئے مقدار کی قید نہیں ہوتی۔ شاطرؔ حکیمی کو اپنے کلام کی طباعت اور اشاعت کی طرف التفات نہیں تھا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''موت و حیات'' شائع ہوا تھا۔ آپ کا بیشتر کلام آپ کے وصال کے بعد شائع ہوا۔ سارا جوں کا توں دے دیا گیا ہے جیسا کہ میرؔ کا پورا کلام شائع کر دیا گیا تھا۔ غالبؔ ہوشیار آدمی تھے۔ اپنی زندگی ہی میں کم معیار کا کلام نکال دیا تھا۔ غالبؔ کا ابتدائی کلام خود انھوں نے ضائع کر دیا تھا۔ اس کانٹ چھانٹ کے بعد جو موجود ہے وہ تمام اعلیٰ معیارات کی معراج ہے۔ شاطرؔ حکیمی نے متنوع اصناف پر طبع آزمائی کی حمد، نعت، منقبت، سلام، غزل، نظم غرض اظہار کے لئے ہر پیمانہ استعمال کیا۔ اگر چہ یوں تو ہر صنف میں آپ کو فنی دسترس حاصل ہے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کو ''مسیحِ غزل'' کے اوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا مگر اصل جوہر نظم میں کھلے ہیں۔

شاطرؔ حکیمی کے کلام کی تمام وسعتوں کو سمٹنے کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے لہٰذا آپ کے صرف منظوم کلام کو میں نے منتخب کیا ہے اس میں شبہ نہیں کہ شاطرؔ حکیمی کی صلاحیتوں کا سب سے بہتر اظہار نظموں ہی میں ہوا ہے۔ آپ کی منظومات میں ہمیں خارجیت کے ساتھ ساتھ داخلیت کی بھی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ آپ کے کلام میں تخیّل کی بلند پروازی اور فکر و خیال کی رفعت و بلندی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ خود شاطرؔ نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

شاعری کب سے نہیں آتی
داد باری ہیں قدرتی انداز
سدرۃ المنتہٰی سے آگے ہے
فکر شاطرؔ کا جلوۂ پرواز

شاطرؔ کی نظموں میں پانی کی روانی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ ان کی منظومات میں مقصد و پیام کے باوجود ان کی

شاعری میں آمد کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ذہنی رو اور قلم میں ایک آہنگ قائم ہوگیا ہے اور اشعار بڑی روانی سے جاری ہوگئے ہیں۔ اپنی شاعری پر خود انھوں نے اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:

شاعری کب سے نہیں آتی
داد باری ہیں قدرتی انداز
سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ہے
فکر شاطر کا جلوۂ پرواز

شاطر کو نظم گوئی سے بہت مناسبت ہے۔ خیالات کی ترسیل، جوش و جذبہ اور واضح مقصدیت آپ کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جامعہ عربیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے نام ایک نظم کا یہ بند ملاحظہ ہو:

اٹھو کہ دشمن ایماں تمھیں مٹا نہ سکے
سرور خواب سحر آئینہ دکھا نہ سکے
اٹھو کہ عرصۂ ہستی کے شہسوار ہو تم
بڑھو کہ ابلق ایام گرد پا نہ سکے

شاطر کی شاعری میں ملی درد اور احساس حمیت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ انھیں شعائرِ اسلام سے بھی بے پناہ لگاؤ تھا۔ خاص طور پر مدارس عربیہ، علماء و صوفیاء اور قومی و ملی قائدین پر انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اپنی نظموں میں بھی کیا ہے۔ ان کی نظمیں ''جامعہ عربیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے نام'' ''جامعہ عربیہ ناگپور''، ''ترانۂ جامعہ''، ''کمال اتاترک''، ''مولانا شوکت علی''، ''مولانا محمد علی''، ''شیخ جامعہ مفتی عبدالرشید'' وغیرہ حریت و حمیت اسلامی پر دال ہیں۔ علامہ اقبال پر تو انھوں نے دو نظمیں تحریر کی ہیں، ان کی شاعری اقبال سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ اقبال کی تراکیب، لفظیات، عناوین اور بعض اقبال کے اشعار کے تضمینات ہمیں شاطر کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔ اسلام پسندی، قرآن و حدیث کا نچوڑ اور اسلامی فلسفے کو انھوں نے اپنی شاعری کی بنیاد بنایا ہے۔ بعض قرآنی اصطلاحات اور لفظیات بھی آپ کی نظموں کا حصہ بنی ہیں جیسے حق الیقین، سدرۃ المنتہیٰ، رحمتہ اللعالمین وغیرہ۔ شاطر کے ہاں اقبال کے افکار و خیالات، جوش کا انقلابی رویہ اور فیض احمد فیض کا لب و لہجہ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر کراچی میں اپنی ایک بہن کی تعزیت میں لکھی گئی اس نظم کا یہ بند ملاحظہ ہو جس میں فیض کی چھاپ نظر آتی ہے:

چلی کچھ ایسی ہوا تیز تر زمانے میں
کسی کی وقت کے طوفاں کے آگے کچھ نہ چلی

فضا پہ چھا گئی اک درد ناک خاموشی
نہ ڈگمگائے قدم مرحلے مہیب سہی
حصار ٹوٹ گئے فاصلے قریب سہی
کہاں سے لاؤں مگر تجھ کو رابعہ باجی

شاطرؔ اپنی نظموں میں فیضؔ کی طرح اچھوتی تراکیب بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے غم بر دوش، دیدۂ سخن گریاں، خزاں بر دوش، ماتم کوش، آہ بلب، کشورِ حسرتِ دل، فراز دار، فشارِ درد، بلاکش، فتادگان رسوم وغیرہ۔ شاطرؔ کی لفظیات عموماً فارسی آمیز ہے۔ بعض نظموں میں پورا شعر یا پورا مصرعہ فارسی کا ہے، جیسے:

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر کارے بود گل دستہ گردد
طغیان ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل
آید بزیر تیغ شہیدش نمی کنند

فارسی اور عربی کے الفاظ کی کثرت کے باوجود نظموں میں ثقالت کا احساس نہیں ہوتا، لفظ اور خیال کا آہنگ برقرار رہتا ہے۔ شاطرؔ عربی اور فارسی ہی نہیں ضرورتاً ہندی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ساون، پُروا، وشنو پون وغیرہ۔ اس طرح ان کی شاعری زبانوں، ثقافتوں، مختلف افکار و نظریات اور انسان دوستی کے جذبات کا آمیزہ لگتی ہے۔ شاطرؔ نے اکثر بحور کے انتخاب میں مشاہیر کا تتبع اختیار کیا ہے۔ اقبالؔ کی معروف نظموں کی بحروں میں آپ کی کئی نظمیں موجود ہیں۔ ان کی دو نظموں ''پھر مری آزادیاں'' اور ''مطلع امید'' کے تمام مصرعوں کا آغاز ''پھر'' سے ہوتا ہے اور اس تکرار سے انھوں نے ایک کیفیت پیدا کی ہے۔ ''پھر'' کا لفظی تناظر بدل بدل کر سامنے آتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

پھر نگاہوں میں اتر آئی ہے تصویر بہار
پھر مری آزادیاں محبوس زنداں ہوگئیں
پھر مرا شیرازۂ ہستی پریشاں ہوگیا
پھر نگاہیں جلوۂ قاتل پر قرباں ہوگئیں

شاطرؔ کی منظومات کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں عشق و محبت، رومان و جمال، اخلاق اور تصوف، نظریہ حیات، علم و عمل، امید و بیم غرض حب الوطنی، ہندوستانی شعائر کی عظمت کے ساتھ ساتھ قومی سیاست کے تاریک گوشوں کی نشاندہی کرتے ہوئے شکوہ بھی کیا ہے اور اہل وطن سے بیداری کی اپیل بھی کی ہے لیکن ان

سارے موضوعات سے بڑھ کر شاکر کی نظموں کا جو محبوب موضوع رہا ہے وہ انسان دوستی اور ہمدردی ہے۔ آپ کی اکثر نظموں میں مزدور اور محنت کش طبقے کی پُر زور حمایت ملتی ہے اور ظلم وستم کے خلاف واضح لفظوں میں احتجاج بھی موجود ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

الٹ دو تختہ و قصر حکومت
سہو گے جور سلطانی کہاں تک
غلامی کی ثنا خوانی کہاں تک
یہ دورِ خستہ سامانی کہاں تک

عید کے موقع پر بھی شاکر مزدور و مفلس طبقے کی مجبوریوں اور نامرادیوں سے غافل نہیں ہوتے، ان کی ایک نظم عید کا یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

عید ہے مزدور کے دل کی صدائے جاں گسل
عید ہے سرمایہ داروں کے لئے درس عمل
عید ہے مفلس کو سینے سے لگانے کے لئے
عید ہے ایثار و ہمدردی جتانے کے لئے

شاکر صاحب نے مزدوروں کا استحصال کرنے والے ظالم سرمایہ داروں کی بھی خوب خبر لی ہے۔ ان کی ایک نظم ''سرمایہ دار'' ہی کے عنوان سے رقم ہوئی ہے، اس نظم کا انداز تخاطب ہمیں ساحر لدھیانوی کی نظم ''تاج محل'' کی یاد تازہ کرتا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اے زمانے کی نگاہوں میں کھٹکنے والے
ہوش بے خام کی منزل میں بھٹکنے والے
کیا یہی ہے ترے نزدیک مشقت کا وقار
ایک انسان رہے دوسرے انساں کا شکار

شاکر کی شاعری میں ہمیں ظلم واستبداد ہی کی داستانیں نہیں ملتی ہیں بلکہ ایک احتجاج، ترغیب اور عمل کا پیغام بھی ملتا ہے۔ جہالت دور کرنے اور تعلیم کے لئے ترغیب وترہیب بھی ملتی ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہٹا دو راہ سے بے چارگی کے لات وہبل
چلو بڑھاتے ہوئے جذبۂ یقین وعمل

اٹھواٹھو کہ فروزاں ہو آفتاب علوم
بڑھو بڑھو کہ چھٹیں ظلم و جہل کے بادل

*

روش روش پہ بچھی ہے بساط ظلم یزید
برائے امن واماں کربلا ضروری ہے

*

اٹھو چھاجاؤ پھر عشرت کدے پر
مکان غم کی دربانی کہاں تک

شاطرؔ کی اکثرنظمیں پیامی ہیں۔آپ کا لب ولہجہ اخلاقی ہوتے ہوئے بھی ناصحانہ یا خطیبانہ نہیں ہے۔آپ کی شاعری میں ہمیں رجائیت اور امید وبیم کا انداز ملتا ہے۔وہ ملک وملت کی دگرگوں صورتِ حال سے انتہائی مایوس ہوتے ہوئے بھی یاسیت کا شکار نہیں ہیں بلکہ ان کی نظموں میں کثرت سے رجائی اشعار ملتے ہیں۔مثلاً

مصیبتوں میں بھی عادت ہے مسکرانے کی
علامتیں ہیں نمایاں نئے زمانے کی
یہاں سے قافلۂ نوگذرنے والا ہے
علوم و فضل کا سورج ابھرنے والا ہے

*

مآل اس کا جو ہوگا دیکھ لیں گے دیکھنے والے
ذرا کشتی سے میری کھیل بھی لینے دو طوفاں کو

شاطرؔ کے موضوعات اچھوتے بھی ہیں اور متنوع بھی۔نظم کی وسعتوں سے شاطرؔ نے بہت کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے نظم کے روایتی موضوعات کے علاوہ دیگر کئی اچھوتے موضوعات بھی اختیار کئے ہیں۔ان کی کئی نظمیں داخلیت سے بھی عبارت ہیں ورنہ عموماً نظم کے موضوعات خارجی ہوتے ہیں۔ہیئت کی اگر بات نہ ہو تو کچھ نظمیں شاطرؔ کی غزل لگتی ہیں۔شاطرؔ کی نظموں میں شعائرقوم اور ہندوستانی تہذیب ثقافت اور شخصیات کا بھی ذکر ہے۔جیسے ''گنگ وجمن''، ''وطن''، ''علی ساگر''، ''کوئل''، ''موج و طوفان''، ''ہندوستان''، ''ٹیگور''، ''گرونانک''، ''ساون''، ''ہولی''، ''فرزندوطن'' وغیرہ۔نظم ''ہولی'' اور ''ٹیگور'' کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

بج رہے ہیں مدھ بھری آواز میں ہولی کے ساز
کھنچ کے آنکھوں میں نہ آجائے دلِ حرماں نواز
کھیلتی ہیں رنگ آپسی میں کنواری لڑکیاں
گیت ہولی کے زباں پر ہاتھ پر پچکاریاں

*

مجھے ٹیگور کا گزرا زمانہ یاد آتا ہے
ٹپک پڑتے ہیں آنسو وہ فسانہ یاد آتا ہے
پیام زندگی لے کر جو آیا تھا زمانے میں
قیامت ہے اسی کو موت نے چھانٹا زمانے میں

*

اے وطن اے راحت و آرام کے دلکش دیار
تیرے شہروں پر تصدیق تیرے صحرا پر نثار
حسن میں تو بے بدل ہے عشق میں تو لاجواب
رام کی تجھ میں جوانی تجھ میں سیتا کا شباب

شاطر کا دل جذبۂ حب الوطنی سے لبریز ہے لیکن انھوں نے ہندوستان کی تاریخ کا بدترین زمانہ دیکھا تھا۔آزادی سے پہلے ہندوستانیوں کی مشترکہ جدو جہد دیکھی تھی اور تقسیم ملک کے بعد ہندو اور مسلمانوں کے درمیان شدید ترین منافرت اور انسانیت سوز ہنگامے بھی دیکھے تھے۔سیاست دانوں کی گندی سیاست اور نفاق وفریب کے گھناؤنے کھیل بھی دیکھے تھے وہ ان وقوعوں پر خاموش نہیں بیٹھ سکتے تھے۔لہٰذا انھوں نے اس پس منظر کا شدید اثر لیا اور ان کی منظومات میں اس کا تلخ اظہار محسوس کیا جا سکتا ہے۔یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سو انقلاب آئے فتنے ہزار اٹھے
آیا نہ فرق لیکن ظالم ترے چلن میں
دست جنوں کی دیکھی تم نے کرشمہ سازی
اک تار بھی نہیں ہے شاطر کے پیراہن میں

شاطر نے مسلم رہنماؤں اور مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بھی نظمیں لکھی ہیں۔اردو کے مشہور

شعراء غالبؔ و اقبالؔ پر ایک چھوڑ دو دو نظمیں رقم کی ہیں۔ وہ ان دونوں کے کلام اور فن سے بے حد متاثر تھے۔ اقبالؔ کا تو انھوں نے بڑی حد تک تتبع بھی کیا ہے۔ بنیادی طور پر شاطرؔ اسلام پسند شاعر تھے۔ جہاں کہیں نظموں میں ان کی جذبۂ عشق ظاہر ہوا ہے تقدیس و تطہیر سے معمور ہے۔ عارفانہ کلام کی دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

مجھے رہین تجلی بنا نقاب اٹھا
تو اپنی بزم تماشا سے کامیاب اٹھا
وہ میرا ذوق تماشا وہ تیرا رعب جمال
نظر اٹھے نہ اٹھے تو مگر نقاب اٹھا

*

عظمت سوز عشق کیا کہیے
داغ دل آفتاب ہونا تھا

*

جب ترا نقش پا نہیں ملتا
کیوں زمیں پہ گھسوں جبین نیاز
تو نہ ہوتا تو زندگی کیا تھی
اے غم عشق تیری عمر دراز

غرض شاطرؔ حکیمی نے اردو نظم نگاری کے باب میں قابل قدر اضافے کئے ہیں۔ آپ کی شاعری کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور پورے کلام کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مسبوط مقالہ رقم کرنے کی ضرورت ہے جو پوری ایک کتاب کی صورت میں ہو۔ زیرِ نظر مقالہ آپ کی صرف ایک صنف شاعری یعنی نظم نگاری کے بعض نمایاں پہلوؤں کو لے کر لکھا گیا ہے ابھی بہت سارے پہلو تشنۂ بحث ہیں۔ آپ کے لائق فرزند جناب محترم غلام رحمٰن صاحب کے ذوق اور اصرار سے اللہ نے قلم اٹھانے کی جسارت عطا کی میں آپ کی خلوص کا احسان مند ہوں۔

مسلم خواتین اور اسلامی تعلیمات

ڈاکٹر امان اللہ. ایم. بی.
اسسٹنٹ پروفیسر،
شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونی ورسٹی

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ خیر و رحمت، عدل و انصاف کا دین ہے۔ اسلام نے عورت کو بڑا اونچا لائق و مساوی مقام دیا اور یہ مقام عورت کو کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ خدائے عز و جل کا ارشاد ہے 'ان المسلمین و المسلمات والمئومنین و المئومنات ۔ مرد اور عورت کو مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ عبادات، اخلاق و معاملات یکساں ہیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''دین کا آدھا علم عائشہؓ کے پاس ہے'' میری وحی کا آدھا علم صحابہ کرام سے حاصل کرو اور تنہا ادھا علم عائشہؓ سے۔ حضرت عائشہؓ ایک عورت ہی تو ہیں۔ اللہ نے آپ کا رتبہ اتنا بلند کردیا کہ وحی کے آدھے علم سے سرفراز فرمایا اور وہ رتبہ ملا کہ آپ نے ہزاروں صحابہ کو پیچھے کردیا۔ عورت جب ترقی پر آتی ہے تو یوں آسمان فلاکت کو چھو جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے عورت کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ دین میں ہو کہ دنیا میں علم و فضل میں برابری کرسکتی ہے۔ دنیاوی امور میں پیش پیش رہ سکتی ہے۔ دین و شریعت کے راہ پر گامزن ہو تو ہر عورت کو مساوی رتبہ حاصل ہوسکتا ہے۔

ایک اہم سوال عورت کے حقوق کا ہے اس سے متعلق اسلام نے تین امور کو ملحوظ رکھا ہے یہ کہ مرد کو جو حاکمانہ اختیارات محض خاندان کے نظم کی خاطر دیے گئے ہیں ان سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ ظلم نہ کرسکے، اور ایسا نہ ہو کہ تابع متبوع کا تعلق عملاً لونڈی وآقا کا تعلق بن جائے۔ دوسرا یہ کہ عورت کو ایسے تمام مواقع بہم پہنچائیں جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نظامِ معاشرت کے حدود میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن میں اپنے حصے کا کام بہتر سے بہتر انجام دے سکے اور تیسرا یہ کہ عورت کے لئے ترقی اور کامیابی کے بلند درجوں تک پہنچنا ممکن ہو، مگر اس کی ترقی اور کامیابی جو کچھ بھی ہو عورت ہونے کی حیثیت سے ہو، مرد بننا نہ تو اس کا حق ہے نہ مردانہ زندگی کے لئے اس کو تیار کرنا، اس کے لئے اور تمدن کے لئے مفید ہے اور نہ ہی مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہوسکتی ہے۔

عورت کو شوہر کے انتخاب کا پورا حق دیا گیا ہے۔ اس کی رضامندی کے خلاف کوئی شخص اس کا نکاح نہیں کرسکتا۔ عورتوں کو دینی اور دنیوی تعلیم کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی کرتی

تھیں۔ جہاں تک نفسِ تعلیم وتربیت کا تعلق ہے اسلام نے عوت اور مرد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم وتربیت وہ ہے جو اس کو ایک بہترین بیوی، بہترین ماں اور بہترین اہل خانہ بنائے۔ وہ علوم بھی عورت کے لئے ضروری ہیں جو انسان کو انسان بنانے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو توسیع کرنے والے ہیں۔ ایسے علوم اور ایسی تربیت سے آراستہ ہونا ہر مسلمان عورت کے لئے لازم ہے۔ اگر کوئی عورت معمولی عقلی وذہنی استعداد رکھتی ہو اور ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی اعلی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہے تو اسلام اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہے۔

عورتوں کے حقوق تو اپنی جگہ مگر اس سے اس احسانِ عظیم کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا جو اسلام نے عورت پر کیا ہے۔ انسانی تمدن کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ عورت کا وجود دنیا میں ذلت اور شرم وگناہ کا وجود تھا۔ بیٹی کی پیدائش باپ کے لئے سخت عیب اور ننگ وعار تھی، سسرالی رشتے ذلیل سمجھے جاتے تھے حتی کہ سسرے اور سالے کے الفاظ اسی جاہلی تخیل کے تحت آج تک گالی کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ بہت سی قوموں میں اسی ذلت سے بچنے کے لئے لڑکیوں کو قتل کردینے کا رواج بھی تھا قرآن نے اس جاہلی ذہنیت کو سورۃ النحل میں نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ہندو مذہب میں ویدوں کی تعلیم کے لئے دروازہ بن تھا بودھ مت میں عورت سے تعلق رکھنے والے کے لئے نروان کی کوئی صورت نہ تھی، مسیحیت اور یہودیت کی نگاہ میں عورت ہی انسانی گناہ کی بانی ومبانی اور ذمہ دار تھی۔ یونان میں گھر والیوں کے لئے نہ علم تھا، نہ تہذیب نہ ثقافت تھی اور مرد اس پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتا تھا اور وہ اس کے ظلم کو سہنا اپنا فرض جانتی تھی۔ حد یہاں تک پہنچی کہ اپنے شوہر کو 'پتی ورتا' اس کا دھرم تھا یعنی اس کا معبود اور دیوتا مانتی تھی ایسے میں جس نے نہ صرف قانونی اور عملی حیثیت سے بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا وہ اسلام ہے۔ اسلام نے ہی عورت اور مرد دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا عورت کی عزت اور اس کے حق کا تخیل ہی انسان کے دماغ میں اسلام کا پیدا کیا ہوا ہے۔

انسان جب زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوتا ہے تو ہی وہ انسان ہوتا ہے، ہر زمانے میں تعلیم یافتہ حضرات کی قدر وقیمت رہی ہے۔ انسان کی نافعیت کے لیے، دینی تعلیم، اسلامی تربیت، ایمانی شائستگی اور انسانی عادات وآداب کی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی ضرورت مچھلی کے لیے پانی کی ہے، تعلیم وہ نسخہ کیمیا ہے، جس سے مُردوں کی مسیحائی عمل میں آسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں دینی تعلیم کے حصول کی افادیت واہمیت کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدمؑ کے ساتھ حضرت حواءؑ کو بھی پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک تناسب سے مرد وخواتین کی تخلیق ہوتی رہی، مکلّف بن جانے کے بعد دونوں کی ذمہ داریاں الگ الگ طے کردی گئیں، مردوں کو بطورِ خاص خارجی معاملات کا نگراں بنایا گیا؛ جب کہ عورتوں کو اندرونِ خانہ معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا اور اسے تاکید کی گئی کہ اس کی عزت وآبرو اور اخروی فلاح وبہبود، چراغِ خانہ بنے رہنے میں مضمر ہے اور اس کا شمعِ محفل بننا اسلام کو پسند نہیں؛ اسی لیے

خالقِ کائنات نے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات ان سب کا مکلّف جیسے مردوں کا بنایا ہے، ویسے ہی عورتوں کو بھی اس کا مخاطب بنایا ہے، اسی لیے علم کا حصول دونوں ہی صنفوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ انسان کی ظاہری حواس، عقل وفہم اور دوسرے انسانوں سے استفادہ کی صلاحیت، مردوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور عورتوں میں بھی۔ مردوں کے لیے اتنا علم اور اتنی دینی تعلیمات بے حد ضروری ہے، جن سے وہ دین پر صحیح طور سے عمل پیرا ہو سکیں اور شریعت کے مطالبات کو روبہ عمل لا کر نگاہِ شریعت میں معتبر بن سکیں، وہیں عورتوں کے لیے دینی تعلیم و تربیت سے آگاہ ہونا اور دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا ناگزیر ہے۔

عورت اپنے ہر رنگ اور روپ میں کائنات کا حسن اور قدرت کا قیمتی تحفہ ہے۔ وہ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں کائنات کا ایسا رنگ ہے جس کے بغیر کائنات انسانی کی ہر شے پھیکی اور ماند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا محافظ اور سائبان بنایا ہے مگر عورت اپنی ذات میں ایک تناور درخت کی مانند ہے جو طوفانی ہواؤں اور جھکڑوں کی زد میں آ کر بھی نہایت ہمت اور حوصلے سے ثابت قدم رہتی ہے اور ہر قسم کے سرد و گرم حالات کا دلیری سے مقابلہ کرتی ہے اسی عزم و ہمت، حوصلے اور استقامت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو اس کے قدموں تلے بچھا دیا۔ عورت وہ ذات ہے جس کے وجود سے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہ السلام نے جنم لیا اور انسانیت کے لئے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آئے۔ عورت عظیم بیٹی، قابل رشک بیوی اور قابل فخر ماں کا کردار ادا کرتے ہوئے سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء علیہ السلام کی صورت میں نظر آئی جس کے لئے آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نشست مبارک سے کھڑے ہو کر استقبال کیا کرتے تھے۔ عورت جب مرد کی شریک حیات کے طور پر سامنے آئی تو مرد کے نصف ایمان کی محافظ، جلوت وخلوت کی امین، دکھ سکھ کی ساتھی، سراپائے عزم و وفا پیغمبروں اور ولیوں کو جنم دینے والی خدا کی وہ تخلیق ہے جو کل انسانیت کے لئے قابل احترام اور لائق تحسین ہے۔ عورت اگر چہ صنف نازک ہے مگر اپنی صلاحیت، ذہانت اور سمجھ بوجھ میں صنف قوی سے کسی طور پر بھی کم نہیں۔ تاریخ انسانی اس بات کی گواہ ہے کہ ملک وقوم کو جب بھی کسی مہم جوئی کا سامنا ہوا تو عورت نے مردوں کے شانہ بشانہ رہ کر ملک وقوم کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا۔

حضرت حواء علیہ السلام سے اسلام کے ظہور تک کئی نامور خواتین کا ذکر قرآن وحدیث اور تاریخ اسلامی کی کتب میں موجود ہے۔ جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے علاوہ ان کی ازواج حضرت سارہ علیہا السلام، حضرت حاجرہ علیہا السلام، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ، حضرت ام موسیٰ، حضرت مریم اور ملکہ صبا نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اسی طرح امہات المومنین اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے واقعات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عورت کے بغیر معاشرے کی تکمیل ناممکن ہے۔ رب کائنات نے عورت کو سب سے بڑا مقام ماں کی صورت میں دیا ہے۔ اگر مائیں انقلابی سوچ کی حامل ہوں تو اپنے بچوں کی تربیت بھی انقلابی نہج پر کرتی ہیں۔ یہی تربیت

معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ایک انقلابی ماں ہی انقلابی کردار کے حامل بیٹے عطا کرتی ہے۔انبیاء کرام اور کتابوں کا نزول انسان کی سیرت اور کردار سازی کے لئے شروع کیا گیا۔جس میں پہلی ذمہ داری عورت کے سپرد کی گئی۔ماں جس کی آغوش میں انبیاء کرام، اولیاء کرام اور تمام عظیم شخصیات نے تربیت حاصل کی ہے۔ماں کی تربیت ہی اولاد کو اعلیٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔ماں کی گود اولین درسگاہ ہے۔گود اگر سیدہ کائنات کی ہو تو اولاد امام حسن اور امام حسین علیہ السلام بن کر دین حق کا نام سربلند کرتی ہے۔امت کی تشکیل کا کام ماؤں کی تربیت سے ہی طے پاتا ہے۔عورت اپنے مثبت کردار اور پختہ ارادے سے اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کا مقابلہ کرسکتی ہے۔تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھا جائے تو ظلم و جبر کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں میں خواتین بھرپور کردار ادا کرتی رہی ہیں۔عورت اگر اپنے اندر انقلابی سوچ پیدا کرلے تو قوموں کی تقدیر بدلتے دیر نہیں لگتی۔

تاریخ اسلام خواتین کی قربانیوں اور خدمات کا ذکر کئے بغیر نامکمل رہتی ہے۔اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔تمام آزمائشوں اور مصیبتوں کو سہتے ہوئے ثابت قدم رہیں۔ان خواتین پر مصیبتوں اور ظلم و ستم کی انتہا کردی گئی۔ان خواتین نے اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر گھر بار چھوڑ دیئے، اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرلیا۔اپنے ایثار، تقویٰ و پرہیزگاری سے ثابت کردیا کہ خواتین کسی صورت مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔دعوت و تبلیغ میں سیرت و کردار کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بہترین کردار ہی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے اور خواتین کے اسی کردار کو دیکھ کر کئی صحابہ کرام علیہ السلام دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی شامل ہیں جو اپنی بہن کی ثابت قدمی اور جذبہ ایمانی سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔وہ مائیں کتنی عظیم ہیں جنہوں نے حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی جیسے بیٹوں کی تربیت کی اور ان میں ایسی انقلابی سوچ پیدا کی کہ انہوں نے دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

وادی مکہ میں جب صدائے حق بلند ہوئی تو اس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی بھی ایک خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی جان و مال سب کچھ دین اسلام کے لئے وقف کردیا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہ السلام کی زندگی فہم و فراست، حکمت و تدبر، خدمت و اطاعت، ہمدردی و خیر خواہی، بلند اخلاق و سیرت، رحم دلی اور غریب پروری کی عظیم مثال ہے جن کی سیرت سے خواتین تاقیامت فیض یاب ہوتی رہیں گی۔ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو منفرد مقام حاصل ہے۔آپ اپنے ہم عصر صحابہ کرام علیہ السلام اور صحابیات علیہ السلام میں سب سے زیادہ ذہین تھیں۔اسی ذہانت و فطانت اور وسعت علمی کی بنیاد پر منفرد مقام رکھتی تھیں۔آپ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی۔آپ سے مروی احادیث کی تعداد

2210 ہے۔آپ نے ہمارے پیارے نبیؐ کی نجی زندگی کے احوال کو امت تک اس انداز میں پہنچایا ہے کہ ان احوال کو جاننے کے بعد کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔آپ قرآن پاک کی حافظہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپکو علم طب،قرآن وحدیث اور فقہی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھا۔بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اپنے اختلافی مسائل کو آپ کے سامنے پیش کرتے تو آپ اپنی بصیرت اور وسعت علمی سے ان مسائل کو حل کر دیتی تھیں۔

سیدہ کائنات فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذات اقدس ہر حوالے سے ایک کامل عورت کے روپ میں نظر آتی ہے۔حضرت فاطمہؓ پیغمبر اسلام کے وجود کا خلاصہ ہیں۔آپ نگاہ خداوندی میں تمام عورتوں کا انتخاب ہیں۔سیدہ کائنات علیہ السلام نے اپنے عظیم باپ کی محبت کا حق ادا کرتے ہوئے بچپن میں سرداران قریش کے ظلم وستم کا بڑی جرات مندی،شجاعت،ہمت اور متانت سے سامنا کیا۔

غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زخمی ہو گئے تو کفار مکہ نے مسلمانوں پر اپنا گھیرا تنگ کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ نعوذ باللہ آقا علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں تو اس انتہائی نازک صورتحال کے موقع پر حضرت ام عمارہ علیہ السلام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا اور شمشیر زنی کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا۔آپ نے جنگ یمامہ میں بھی شرکت کی اور دشمن فوج کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔

حضرت حسن بصری مشہور بزرگ گزرے ہیں اس دور کی ولیہ حضرت رابعہ عدویہ خاتون تھیں۔حضرت رابعہ نے حضرت حسن بصری کو پانی پر مصلی بچھا کر نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے ہوا میں اپنا مصلی معلق کر دیا اور عبادت کرنے لگیں۔جب حصن بصری نے دیکھا تو مصلی لپیٹ لیا دونوں کی ملاقات ہوئی تو رابعہ عدویہ نے دو جملے ارشاد فرمائیں کسی فارسی شاعر نے یوں قلم بند کیا ہے؛ برآب روی خسے باشی وبرہوامگسے باشی دل بست آرکہ کسے باشی۔'اے حسن اگر آپ نے پانی پر تیر لیا تو کوڑا کباڑ بھی تیرتا ہے،اگر رابعہ ہوا میں اڑ گئی تو مکھیاں بھی اڑتی ہیں یہ تو کوئی کمال نہ ہوا بلکہ کمال تو یہ ہے کہ نفس پر قابو پاؤ،بندہ خدا معنیٰ حقیقی میں بنو' حضرت حسن نے فرمایا: کہ رابعہ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا عرب کی مشہور مرثیہ گو شاعرہ تھیں۔آپ اپنے وفد کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر ایمان لائیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب جنگ قادسیہ لڑی گئی تو آپ اپنے چاروں جوان بیٹوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور اپنے بیٹوں کو دشمن فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی نصیحت کی۔آپ کے بیٹوں نے آپ سے وعدہ کیا اور دوران جنگ اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کی۔جب آپ کو بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور شکر بجالائیں اور فرمایا:

''اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے بیٹوں کو شہادت کا درجہ عطا فرمایا مجھے اللہ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ اللہ کی رحمت کے سائے تلے ملاقات کروں گی''۔

ابتدا تا حال دین اسلام کا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خواتین کے حوالے سے ہماری سوچ، خیالات، احساسات اور طرز زندگی میں نمایاں بہتری لائی جائے اور معاشرے میں خواتین کا مقام بلند سے بلند تر کیا جائے۔ اسلام مرد و عورت کو مساوی حقوق دیتا ہے لیکن یہ حقوق مساوی ہیں، یکساں نہیں ہیں۔ اگر یہ دونوں اپنی جگہ پر اپنا کردار اسلامی احکامات کے مطابق ادا کریں تو نہ ان کے درمیان رقابت ہوگی اور نہ مخالفت۔ مغربی دنیا میں اسلام کے حوالے سے جو غلط فہمیاں عام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام میں جنت کا تصور صرف مرد کے لیے ہے عورت کے لیے نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں بہشت صرف مردوں کے لیے مخصوص ہے اور عورت جنت میں نہ جا سکے گی۔ اسی طرح خود مسلم معاشرے کی خواتین کے ذہنوں میں بھی یہ سوال پایا جاتا ہے کہ جنت میں مردوں کو تو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا انعام ملے گا؟ اول الذکر غلط فہمی جو غیر مسلموں میں پائی جاتی ہے اس کی تردید تو قرآن بالکل واضح طور پر کیا ہے کہ 'جو نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ کی جائے گی''۔(سورۃ النساء)

مغربی خواتین میں اسلام قبول کرنے کا رجحان اس حقیقت کے باوجود روز افزوں ہے کہ پورے کرہ ارض پر کہیں بھی ایسا مسلم معاشرہ موجود نہیں جو اسلامی تعلیمات کا حقیقی نمونہ ہو اور جس میں دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی میں قرآن وسنت کے احکام پر عمل درآمد کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی وہ مقام و مرتبہ اور وہ تمام حقوق حاصل ہوں جن کی ضمانت اسلام دیتا ہے۔ اسلام کو اپنانے والی مغربی خواتین کا کہنا بھی یہی ہے کہ موجودہ مسلمان معاشروں میں عورتوں کے ساتھ بعض بے انصافیوں سمیت پائی جانے والی خرابیاں اسلامی تعلیمات پر عمل کا نہیں بلکہ ان سے انحراف اور مختلف ملکوں کے مقامی کلچر کو اپنا لینے کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ مسلمانوں کے عمل و کردار کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن وسنت میں پائے جانے والے اصل اسلام کو جاننے اور سمجھنے کے بعد کیا ہے۔ مسلمان ہونے کا فیصلہ کرنے والی مغربی خواتین کا یہ اظہار حقیقت پوری مسلم دنیا کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر موجودہ مسلمان معاشرے اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بن جائیں تو دنیا میں اسلام کی روشنی کے پھیلنے کی رفتار کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔ قرآن کی رو سے امت مسلمہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے اُس حق کی گواہ ہے جو اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام حیات کی صورت میں اسے پہنچایا ہے۔ اس بناء پر دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنا مسلمانوں کا فرض منصبی ہے۔

یہ بات باعث قلبی اطمینان ہے کہ مسلمان معاشروں میں خاندانی نظام اب بھی بڑی حد تک محفوظ ہے۔ عورتوں، مردوں

اور بچوں سب کے لیے بالعموم پرسکون گھر کی نعمت برقرار ہے اور ماں باپ مل جل کر بچوں کی پرورش کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں اور دوسری جانب بچے بڑے ہو کر ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہوں تو والدین کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جبکہ مغرب میں خاندان کا ادارہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکا ہے اور ایسی عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جنہیں روزی کمانے کی جدوجہد اور بچوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا بوجھ تنہا اٹھانا پڑتا ہے۔ اس صورت حال نے وہاں ''سنگل پیرنٹ'' کی اصطلاح کو جنم دیا ہے جن میں بھاری اکثریت عورتوں کی ہوتی ہے۔

بی بی سی کی ویب سائٹ پر ۱۱ اپریل ۲۰۰۷ء کو برطانیہ کے قومی شماریاتی ادارے (آفس آف نیشنل اسٹیٹسٹکس) کے فراہم کردہ اعداد وشمار کی روشنی میں One Parent Families on the rise کے زیر عنوان جاری کی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں صرف ماں یا صرف باپ کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد ۱۹۷۲ء کی نسبت ۲۰۰۷ء میں تین گنا ہو چکی تھی۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ ۲۰۰۶ء میں ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنے والے بچوں کا تناسب برطانوی بچوں کی کل تعداد کے ایک چوتھائی تک پہنچ چکا تھا جبکہ ان میں سے ۹۰ فی صد بچے صرف ماؤں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان اعداد وشمار سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خاندان کا ادارہ مغرب میں کس درجہ شکست وریخت کا شکار ہے اور اس کے نتیجے میں عورتوں پر ذمہ داری کا بوجھ کس طرح بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اس کیفیت کا ایک بڑا سبب باقاعدہ شادی کے بندھن کے بجائے گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز کی حیثیت سے وقتی پارٹنرشپ کا رواج ہے چنانچہ بی بی سی کی مذکورہ بالا رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں شادی کے بغیر ہونے والے بچوں کا تناسب ۲۰۰۷ء میں ۴۴ فی صد تک پہنچ چکا تھا جبکہ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں یہ تناسب ۲۱ فی صد تھا۔ اس طرح کے صنفی تعلق میں اول تو مرد اور عورت دونوں اولاد سے بچنے کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن اولاد ہو ہی جائے تو عموماً وہ عورت ہی کی ذمہ داری قرار پاتی ہے۔ باقاعدہ شادیوں کے بعد بھی طلاق اور علاحدگی کی مسلسل بڑھتی ہوئی شرح اولاد کے حوالے سے عورت ہی کی ذمہ داری بڑھانے کا باعث بن رہی ہے۔ ان حالات میں بچوں، عورتوں اور مردوں سب کو جن نفسیاتی مسائل کا سامنا ہے، مغربی معاشروں اور ان کی تقلید میں مبتلا مسلمان معاشروں کے اعلیٰ طبقات میں ان کا اظہار ذہنی واعصابی امراض میں روز افزوں اضافے کی شکل میں بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

مغرب کے مقابلے میں مسلم دنیا میں گھر اور خاندان کے ادارے بھی بڑی حد تک مستحکم ہیں، نکاح کرکے باقاعدہ گھر بسانا اور ماں باپ دونوں کا مشترکہ طور پر اولاد کی پرورش کرنا ہی عام طریقہ ہے۔ مسلم دنیا میں خاندان کے ادارے کا بڑی حد تک استحکام اور اسلام کی عائلی اقدار کا کسی نہ کسی درجے میں برقرار رہنا، مغربی عورتوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کا ایک اہم سبب ہے۔ تاہم مغربی تہذیب سے جس طرح زندگی کے دوسرے شعبے متاثر ہوئے ہیں، اسی طرح خاندانی نظام میں بھی کمزوری آنا

شروع ہوگئی ہے۔

مغرب میں عورتوں کی معاشی جدوجہد میں بڑے پیمانے پر شمولیت کے لیے گھر سے باہر نکل کر کارگاہوں، دفاتر اور بازاروں کا رخ کرنا ہی خاندانی نظام کے بکھرنے کا بنیادی سبب بنا ہے۔ وقت کے تقاضوں کی بناء پر اب مسلمان معاشروں میں بھی عورتوں کے لیے معاشی جدوجہد میں شمولیت کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ طرز زندگی میں آنے والی تبدیلیوں اور مہنگائی میں مسلسل اضافے نے ایک خاندان کے لیے ایک شخص کی کمائی کو اکثر صورتوں میں ناکافی بنا دیا ہے۔ نیز پوری مسلم دنیا میں تعلیم کے میدان میں بھی خواتین مسلسل آگے بڑھ رہی ہیں اور جدید علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کر رہی ہیں۔ ان اسباب کے فطری نتیجے کے طور پر مسلم خواتین حصول معاش کے لیے بہت بڑے پیمانے پر مختلف پیشے بھی اپنا رہی ہیں۔ خواتین کا معاشی سرگرمیوں میں شریک ہونا اسلامی تعلیمات کے منافی ہرگز نہیں ہے لیکن اس عمل میں معاشرتی زندگی کے لیے اسلام کے مقرر کردہ حدود کا لحاظ رکھا جانا لازمی ہے۔

اسلامی تاریخ کے اولین ادوار میں اسلام کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کے ساتھ خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں شمولیت کی بہت سے مثالیں موجود ہیں۔ تاہم یہاں اس جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ اسلام کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان معاشروں میں بھی خاندانی سطح پر وہ خرابیاں تیزی سے بڑھ رہی ہیں جنہوں نے مغرب میں خاندان کے ادارے کی تباہی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تعلیمی اداروں اور پھر دفاتر اور کارگاہوں میں آزادانہ اختلاط مرد وزن، ذرائع ابلاغ کی حیاسوز پالیسیوں، سوشل میڈیا کی صورت میں موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے چوبیس گھنٹے باہمی رابطوں کے کھلے مواقع، اس کے ساتھ ساتھ مسلم معاشروں میں مقامی ثقافتوں کے زیر اثر رائج غیر منصفانہ اور ظالمانہ رسوم ورواج اور ان کے سبب جنم لینے والی بے اطمینانی، یہ سب عوامل خاندان کے ادارے کو کمزور کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

خواتین کی تعلیم کے حوالے سے مسلم دنیا میں ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو سرے سے لڑکیوں کو جدید علوم کی تعلیم دینے ہی کے مخالف ہیں اور دوسری طرف اب درس گاہوں میں لڑکیاں ان شعبوں میں بھی لڑکوں سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں زیر تعلیم ہیں جو خالص مردوں کے شعبے سمجھے جاتے ہیں۔ افراط وتفریط پر مبنی ان رویوں میں اعتدال پیدا کرنا ضروری ہے۔ خواتین کو اپنے فطری دائرہ کار کے مطابق عملی زندگی میں خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کی جن ذمہ داریوں کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے، ان کی تعلیم و تربیت میں ان ذمہ داریوں کو بھی ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے ایسے مضامین مختص کیے جانے چاہییں جن میں سند لینے کے بعد وہ اگر عملی زندگی میں معاشی جدوجہد کرنا چاہیں تو اس کے لیے مخلوط ماحول میں کام کرنا ضروری نہ ہو۔

آج تعلیم گاہوں اور دینی تعلیمات کے متعدد ذرائع کے موجود ہونے کے باوجود، دینی تعلیم سے بے رغبتی اپنی انتہاء کو

پہنچی ہوئی ہے، جس مذہب نے دینی تعلیم کو تمام مردوں عورتوں کے لیے فرض قرار دیا ہو اور جس مذہب میں علم وحکمت سے پر قرآن جیسی عظیم کتاب ہو اور جس مذہب کی شروعات ہی ''اقراء''یعنی تعلیم سے ہوتی ہو، اسی مذہب کے ماننے والے دینی تعلیم کے میدان میں سب سے پیچھے ہیں اور اگر بات عورتوں کی مذہبی تعلیم کی، کی جائے نہ کہ محض عصری ومغربی تعلیم کی تو معاملہ حد سے تجاوز ہوتا ہوا نظر آتا ہے، عورتوں کا بہت بڑا طبقہ ایسا ملے گا، جسے سیرت رسول ﷺ کی موٹی موٹی باتیں معلوم نہیں، طہارت وعبادت بالخصوص نماز کی بجا آوری تو دور کی بات، ان کے مسائل سے تشویش ناک حد تک ناواقفیت ہے، حقوقِ والدین، حقوقِ زوج اور دیگر چھوٹے بڑے افرادِ خانہ کے حقوق سے غفلت روز افزوں ہے، نوبت یہ کہ ٹھوس اسلامی تعلیمات سے دوری نے مسلم خواتین کو یہ منفی سبق پڑھایا کہ پردہ، آزادیِ نسواں کے لیے سدِ راہ ہے اور نام نہاد ترقی کا دشمن ہے اور اس کا اہل خانہ ہونا قدامت پسندی ہے، اسے جدیدیت کا لبادہ اوڑھ کر شمعِ محفل بن جانا چاہیے، مضبوط دینی تعلیمات سے لاعلمی نے ساس بہو کے جھگڑے پیدا کردیے، دینی تعلیمات سے اجتناب نے طلاق کی شرح میں اضافہ کردیا، دینی تعلیمات سے بے گانگی نے بڑے بوڑھوں کی خدمت کو کارِ ثواب کے بجائے کارِ زحمت بنادیا، بقدرِ ضرورت دینی تعلیمات سے بُعد اور مغربی تعلیمات سے قرب نے مسلمان خواتین کو امورِ خانہ داری انجام دینے کے بجائے، آفس، ہوٹلوں اور ہسپتالوں میں رسپشن کی زینت بنادیا، دینی تعلیمات سے صرفِ نظری نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کے بدلے، لڑائی جھگڑے کے طور طریقے سکھلا دیے۔ غرض اسلامی زندگی کے جس موڑ پر آپ اسلامی روح کو تڑپتے ہوئے دیکھیں گے، اس کا نتیجہ دینی تعلیمات کا زندگی میں، نہ ہونا پائیں گے، علامہ اقبال نے کہا تھا ''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ'' اس سے کیسا وجود مراد ہے، کیا اسلامی اور دینی تعلیمات کی روح سے یکسر خالی مغربی وجودِ زن؟ آج ہر طرف عصری اور مغربی علوم کا غلغلہ ہے، اسلام اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتا؛ ہاں! مگر اتنی بات ضرور ہے کہ دینی تعلیم کو فراموش کر کے، عصری تعلیم میں بالکلیہ لگ جانا، اسلام کو پسند نہیں، اسلام اسے قابل اصلاح سمجھتا ہے۔ آج دینی تعلیم کی ضرورت جتنی مردوں کو ہے، اس سے کہیں زیادہ عورتوں کو ہے، عورت کا قلب اگر دینی تعلیمات سے منور ہو، تو اس چراغ سے کئی چراغ روشن ہوسکتے ہیں، وہ دیندار بیوی ثابت ہوسکتی ہے، وہ ہردل عزیز بہو بن سکتی ہے اور نیک اور شفیق ساس ہوسکتی ہے، وہ اپنے بچوں کی معلم اوّل ہوسکتی ہے، وہ خاندانی نظام کو مربوط رکھ سکتی ہے، معاشی تنگی کو خوش حالی سے بدل کر معاشی نظام مضبوط کرسکتی ہے، وہ شوہر کے مرجھائے اور افسردہ چہرے پر گل افشانی کرسکتی ہے، میخانے کو مسجد اور بت خانے کو عبادت خانہ بناسکتی ہے، اولاد کو جذبہ جہاد سے سرشار کرسکتی ہے۔ مزید یہ کہ دینی تعلیم یافتہ عورت وہ سب کچھ بہت آسانی سے کرسکتی ہے جو اسلام چاہتا ہے، اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوجائے تو منفی نتیجہ کیسا خوف ناک ہوگا، اندازہ کرنا مشکل نہیں اور دینی تعلیم سے بے انتہا غفلت عورت کو شیطان بنادیتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم نسواں کے حوالے سے مزید بیداری لائی جائے اور اس کی جانب سنجیدگی سے توجہ

دی جائے۔اسلامی تعلیمات کی حدود میں رہ کر تعلیمِ نسواں کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہیے؛ تاکہ نئی نسل اعلیٰ اخلاق و کردار کی مالک بن سکے؛ مگر معاشی اعانت کے لیے عورتوں کی تعلیم کو ذریعہ بنانا غیر فطری بھی ہے اور غیر اسلامی بھی؛ اس لیے کہ قرآن حکیم بیوی بچوں کی کفالت کا ذمہ دار مرد کو قرار دیتا ہے اور اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کی ذمہ داری شرعی فرائض ادا کرنے کے بعد تمام جائز اور مباح امور میں شوہر کی اطاعت کرنا، اس کی حوائج اور سامانِ راحت و آسائش کو مہیا کرنا ہے؛ تاکہ بچے اور شوہر تفریح کے لیے گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں۔

مسلمان خواتین کے لیے جدید دور میں اسلام کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اپنا سماجی کردار ادا کرنے کے حوالے سے یہ چند باتیں اہل علم و دانش اور غیر سرکاری سطح پر سرگرم تنظیموں اور اداروں کے لیے دعوت فکر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مسلم دنیا کو اپنی اجتماعی دانش سے اس مقصد کے لیے مکمل اور جامع لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔ مسلمان خواتین کے لئے موجودہ دور میں اپنے مذہب کا صحیح شعور اور اس کی حقانیت اور معنویت سے بخوبی آگاہی حاصل کرنا بے حد ضروری ہوگیا ہے۔ ورنہ جس طرح کے رکیک حملے اس ملک کی فسطائی جماعتوں اور عالمی سطح کی صہیونی جماعتوں کی جانب سے جاری ہیں اس کی مدافعت کے لئے مسلمان خواتین کو تیار ہو جانا چاہئے بلکہ اپنی دیگر مسلمان برادری کے اندر بھی یہ شعور پیدا کرانا چاہئے۔ ورنہ اسلام دشمن عناصر کی نت نئی سازشوں کے جال میں اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناآشنا خواتین کے پھنس جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

☆☆☆☆

گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

(امیر شریعت کرناٹک مفتی محمد اشرف علی صاحب باقویؒ)

تحریر: شعیب احمد رشادی
بمعرفت: مولانا قاری امتیاز احمد رشادی
مہتمم مدرسۂ رشیدیہ ویلور

قصہ کوتہ کن کہ رفتم در حجاب
ہیں خمش واللہ اعلم بالصواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ اوکما قال علیہ السلام (ابوداؤد)

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ سرکار دو عالم، فخر بنی آدم، تاجدار مدینہ، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ، صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرنے کی سعادت پاتے ہوئے یہ غلام اپنے آقا، اپنے شیخ ومربی، اپنے روحانی باپ، حکیم الملت، امیر شریعت، حضرت قبلہ مفتی محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی یاد میں چند بے جوڑ، بے ترتیب، ٹوٹی پھوٹی سطریں قلم بند کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

ابھی سے کیوں چھلکتے ہیں تمہاری آنکھ میں آنسو
ابھی چھیڑی کہاں ہے داستانِ دردِ دل میں نے

حضرتِ مرحوم کے تذکرہ کے ساتھ حضرتؒ سے وابستہ بے پناہ یادوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر سامنے آجاتا ہے۔ بس کن یادوں سے زینت قلم کا سامان کیا جائے، اور کن یادوں سے چپّی سادھ لی جائے، کن یادوں کا سہارا لیا جائے اور کن یادوں کو چادر اوڑھ کر خاموشی اختیار کرلی جائے، یہ فیصلہ کرپانا دوبھر ہے۔ صرف یہی کہا جاسکتا ہے:

تشنگی جم گئی پتھر کی طرح ہونٹوں پر
ڈوب کر بھی تیرے دریا سے میں پیاسا نکلا

حضرتِ مرحوم کی یادوں کے ان ہی ان گنت کھلے ہوئے بابوں میں سے ایک باب ''بابِ خدمت'' کے چند دریچوں کو کھولنے کی کوشش کررہا ہوں تاکہ تسکین روح وقلب کا سبب بن جائے۔

سنہرا دور جماعت سوم ۲۶/۱۴۲۵ھ کا ایک سال تھا جب حضرت اقدس جانشین حضرت حکیم الملت حضرت احمد معاذ صاحب سعودی رشادی دامت برکاتہم کی توجہات وعنایات کی برکت مخدومِ من حضرت مفتی صاحب قبلہ مرحوم کی خدمت کا سلسلہ شروع ہوا، اوراب ۱۴۳۸ھ کا سال ہے وہ بھی ختم ہونے کے قریب۔عقیدت مندانِ حکیم الملتؒ کا عام الحزن.........!

اک اک پل اب ایک برس ہے روٹھ کے ان کے جانے سے
ہم لمحوں کو ناپ رہے ہیں صدیوں کے پیمانے سے

اس دوران میں پورے تیرہ سال کا عرصہ (جو بالکل پلک جھپکنے کی تیزی سے گذر گیا) مجھے میرے مخدوم کی خدمتوں کے مواقع ملے۔ بارہا ایسا ہوتا کہ دن بھر میں بیسیوں مرتبہ میرے مخدوم کی خدمت میں حاضری کا شرف ملتا، اور بندے کا احساس ہے بلکہ یقین ہے کہ ہر بار کچھ نہ کچھ سیکھنے اور سدھرنے کوضرور ملتا، یہ خادم کبھی یہ دعویٰ نہ کرسکا کہ وہ 'خدمت' سیکھ چکا ہے، اللہ رے وہ تربیت۔ ابتداء سے انتہاء تک وہی اندازِ تربیت باقی تھا۔ دستر چننے کے طریقے سے لے کر گلاس، پیالی اور طشتری رکھنے کے ڈھنگ تک مخدومِ من نے ہی تو سکھائے تھے۔

سلیقہ شعاری ابتداء خدمت کا ایک واقعہ ہے کہ دفتر میں مہمان آئے ہوئے تھے، چائے کا سلسلہ چلا، پھر جب مہمان رخصت ہوئے تو یہ خادم برتن سمیٹنے کے لئے دفتر میں داخل ہوا، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرتِ والا میری طرف بڑھ رہے ہیں، میں کچھ جھجکا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن حضرتِ والا میرے بالکل نزدیک پہنچ گئے، میرے ہاتھوں سے کشتی (چائے کی ٹرے) لی اور فرمایا'' بابا، کشتی، اس طرح پکڑیے، گلاس وغیرہ اس طرح سے اٹھا کر رکھئے''۔ اس وقت تو حضرت کی بات میں صحیح طور پر سمجھ نہ سکا، لیکن جب باہر آکر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جہاں میرے بگڑے ہوئے انداز میں دفتر کی میز پر برتن رکھنے اور اٹھانے سے مہمانوں کو تکلیف پہنچ رہی تھی، وہیں میرے مخدوم کے سلیقے بھرے طرز کو اپنانے میں مہمانوں کا کامل اطمینان تھا۔

فرقِ مراتب دورانِ خدمت فرقِ مراتب کا بھی کافی لحاظ رکھنا ہوتا۔ یہ بھی حضرت ہی کی تعلیم تھی، اور آپ خود اس کا بڑا لحاظ فرماتے تھے اور اپنے خدام کو وقتاً فوقتاً اس کی تنبیہ فرماتے رہتے، اس خادم کے جماعت چہارم میں رہنے کے وقت کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت سے ملاقات کے لئے کئی مہمان آگئے تھے، جن کو مدرسے کے کمرۂ ملاقات میں بٹھایا گیا تھا اور ان کے لئے چائے کا انتظام کیا گیا تھا۔ مہمانوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے میرے ہمعصر مولانا ارشاد اللہ (محبوب نگر، متعلم جماعت پنجم، [ان کو بھی مخدومِ من کی خدمت کا خصوصی شرف حاصل رہا ہے]) اور میں نے پیپر گلاسوں میں مہمانوں کے سامنے چائے رکھی، اور اسی مجلس میں حضرت بھی تشریف فرما تھے تو ظاہر ہے کہ حضرت کی سادہ مزاجی کے

مطابق آپ کے سامنے بھی پیپر گلاس ہی رکھا گیا۔اسی درمیان کچھ خصوصی مہمانوں کی آمد ہوئی،حضرت والا نے ان خصوصی مہمانوں کو دفتر میں انتظار فرمانے کے لئے کہا اور ہمیں حکم دیا کہ وہاں بھی چائے پہنچائی جائے۔

کاموں کی تیزی میں ہم خدام نے آؤ دیکھا نہ تاؤ،سیدھا انہی پیپر گلاسوں میں ان خصوصی مہمانوں کے سامنے بھی چائے پیش کردی۔تھوڑی دیر بعد حضرتؒ کمرۂ ملاقات سے اٹھ کر دفتر تشریف لائے،ان حضرات سے ملاقات کی،بات چیت ہوئی اور پھر جب وہ رخصتی مصافحہ کرکے چلے گئے تب آپ نے بلا کر خادم کو نصیحت فرمائی کہ ''عزیزم! فرقِ مراتب کے لحاظ کی تعلیم ہمیں احادیث ہی سے تو ملتی ہے نا، **انزلوا الناس منازلھم**''(ابوداؤد) بس اتنے مختصر سے جملے سے آپ نے زندگی بھر کے لئے ہمیں 'فرقِ مراتب کا درس' دے دیا تھا۔

ذوق رکھ سنت گرامی سے
ہے شرف آپ کی غلامی سے

طبعِ لطیف میرے مخدوم طبعِ لطیف رکھتے تھے۔صفائی،ستھرائی اور پاکیزگی آپ کے مزاج میں داخل تھی، کاموں کے بے ڈھنگے پن،بدسلیقگی،بے ترتیبی اور یونہی کوڑے کرکٹ سے آپ کی طبع نازک پر بہت بار پڑتا تھا۔صفائی ستھرائی پر خود آپ بھی اس دنیا سے پردہ فرمانے تک عمل پیرا رہے اور ہم خدام کی بھی اس سلسلے میں ہمیشہ تربیت فرماتے تھے ،فجر کے لئے آپ جب بھی مدرسہ تشریف لاتے تو دفتر اہتمام تک جاتے ہوئے کمروں کے سامنے پڑے پاپوشوں کو درست فرماتے ہوئے جاتے،کہیں بھی کچرا نظر آتا تو فوراً اسے اٹھا دیتے،یا اگر ہم خدام ساتھ ہوتے تو ہمیں اٹھانے کا موقع مل جاتا۔اور ساتھ ہی حکم ملتا کہ ''بائیں ہاتھ سے اٹھائیں اور کوڑے دان میں پھینک کر ہاتھ دھولیں''

کئی بار دفتر اہتمام میں خود مخدومِ من کو صفائی کرتے ہوئے اور دفتر ترتیب دیتے ہوئے ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا ہے،عمر کے آخری حصہ میں جب حضرتؒ کے گھٹنوں اور پیروں میں تکلیف بڑھ گئی تھی اور چلنا پھرنا،اٹھنا بیٹھنا دشوار ہوگیا تھا،تب اگر کبھی کچرا وغیرہ اٹھانے کے لئے کہنا ہوتا تو فرماتے ''کیا کروں عزیزم،اب آسانی سے جھکا نہیں جاتا،اس لئے زحمت دیتا ہوں اسے گوارا کرلیجئے''،اور پھر بڑی سادگی سے وہ جملہ فرماتے،جس کو ہم تمام ہی وابستگانِ حکیم الملت سن بھی نہیں سکتے،آپ فرماتے ''مجھے معاف فرمادیجئے''۔اللہ! اب کہاں سے لائیں یہ سادہ مزاجی۔

حضرت کی عاجزی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے کبھی ہمارا تعارف کراتے ہوئے ہمیں خادم نہیں کہا،بلکہ جب بھی کہنا ہوتا تو کہتے کہ ''یہ مدرسے کے طالب علم ہیں''۔

خردوں کو دعا دینے کا معمول حضرت کی ایک پیاری عادت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے سے چھوٹوں کو باتوں باتوں میں موقع بہ موقع دعاؤں سے نوازتے رہتے،اور ان ہی دعاؤں کو پانے کے لئے ہم خدام ہمیشہ ہی کچھ ایسا

چھوٹا موٹا کرنے کی فکر میں رہتے کہ جس سے ہمیں حضرت کی دعائیں ملیں، مثلاً دسترخوان پر جب بھی حضرت کو گرم پانی سے ہاتھ دھلایا جاتا تو بہت ہی خوشی کا اظہار فرماتے اور ارشاد ہوتا ''واہ واہ بہت اچھے'' اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر ''شاباش'' بھی فرمادیتے۔ جس دن حضرت کی زبان سے یہ سننا ہوتا وہ دن ہمارے لئے عید کا دن ہوجاتا۔

اساتذہ کی قدردانی اپنے اساتذہ کرام کی قدردانی اور مرتبہ شناسی، ان کا ادب واحترام کوئی سیکھنا چاہے تو حضرت ہی سے سیکھے، حضرت اپنے اساتذہ کا اس قدر احترام فرماتے کہ بیان سے باہر ہے، ایک دو واقعے مختصراً تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس خادم نے حضرت کے اساتذہ کرام میں سے صرف دو اساتذہ کو نہ صرف یہ کہ دیکھا بلکہ ان کی خدمت کا بھی اسے موقع ملا، ایک چاند حضرت، اور دوسرے رئیس حضرت۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔

اپنے ان دو بزرگ اساتذہ کا ایک دلچسپ واقعہ خود حضرت نے مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ ایک بار دونوں اساتذہ کرام مدرسہ کے مہمان خانے میں تھے، کچھ دنوں بعد رئیس حضرت کی طبیعت واپسی کی طرف مائل ہوئی جبکہ چاند حضرت رکنا چاہتے تھے، مہمان خانے کے داہنی طرف کے پلنگ پر رئیس حضرت کا آرام تھا اور بائیں طرف کے پلنگ پر چاند حضرت آرام فرماتے تھے، حضرتؒ اپنے اساتذہ کے درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے،

اتنے میں رئیس حضرتؒ نے حضرتِ مرحوم سے فرمایا کہ اپنے حضرت کو (یعنی چاند حضرت کو) جائیں گے بولو'۔

چاند حضرت نے حضرتؒ سے پوچھا ''کیا بولتے ہیں؟''

حضرت نے طالبعلمانہ انداز میں کہا کہ 'جائیں گے بولتے ہیں'

چاند حضرت نے فرمایا ''جا کر کیا کرتے پوچھو'

اس پر رئیس حضرت نے بھی حضرتؒ سے وہ سوال دہرایا کہ ''کیا بولتے ہیں؟''

حضرت نے کہا ''کہ ابھی رکیں گے کہتے ہیں''۔

اس پر رئیس حضرت نے فرمایا ''رک کر کیا کرتے پوچھو'

اپنے مشفق اساتذہ کے یہ دو جملے نقل فرما کر حضرت بہت خوش ہوتے بلکہ کبھی آپ کی مسکراہٹ بتدریج ہنسی سے بڑھ کر قہقہہ تک پہنچ جاتی۔

چاند حضرت کی مدرسہ کو تشریف آوری نسبتاً زیادہ ہوتی تھی۔ چاند حضرت کے مہمان خانے میں قیام کے دوران مخدومِ من کو بارہا میں نے دیکھا کہ آپ کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھنا تو درکنار کبھی سیدھا بھی نہیں بیٹھتے، بلکہ جب بھی بیٹھتے آپ کا رخ ہمیشہ اپنے استاذ کی طرف مائل رہتا، چاہے کتنی بھی دیر ہوجائے۔ اگر کبھی چاند حضرت میرے حضرتؒ کو مہمان

خانے ہی میں آرام کر لینے کو فرماتے تو باوجود کئی پلنگ خالی ہونے کے آپ نیچے حصیر پر ہی آرام فرماتے۔ خدا ہمیں بھی اپنے اساتذہ عظام کا یہ ادب واحترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان دو بزرگ اساتذہ میں پہلے چاند حضرت کا انتقال ہوا۔ جس پر حضرت بہت ہی زیادہ مغموم ہوئے تھے، لیکن جس گھڑی رئیس حضرت کے انتقال کی خبر آئی، اس وقت خادم اپنے مخدوم کے ساتھ دفتر ہی میں تھا، بذریعہ فون یہ اطلاع ملی تھی، فون رکھنے کے بعد حضرت کی آنکھوں کو میں نے اشکبار دیکھا، پھر اپنے اس خادم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''عزیزم! اب اس دنیا میں ہمارے کوئی استاذ باقی نہیں رہے، سارے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اب ہمارے سروں پر ان کی دعاؤں کا سایہ نہ رہا، اب چاروں طرف سے مصیبتیں آئیں گی''۔

اللہ میرے تمام اساتذہ کرام کے عمر واقبال میں برکت دے، ان کے سایہ عاطفت کو تادیر ہم خردوں پر قائم رکھے، آمین۔ بندہ خود حضرت کے وصال کے بعد حضرتؒ کی اس دور بینی کا اور باریک فہمی کا مشاہدہ کر چکا ہے کہ ادھر حضرت نے ہم سے آنکھیں بند کر لیں، اپنے پروردگار کے دربار میں چلے گئے اُدھر ہم تمام ہی کے قدم لڑکھڑانے لگے، ہم قدم بہ قدم ٹھوکریں کھانے لگے اور جہاں دن بھر میں کئی بار یہ کان آپ کی زبانِ مبارک سے سلامتی کی دعائیں سننے کے عادی تھے، وہ اب ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے، دل کی دنیا تو برباد ہوئی ہی چھوٹے موٹے حادثے بھی پیش آنے لگے۔

حضرت مرحوم کی جدائی سے حضرتؒ کا تقریباً پورا خانوادہ بچوں سے بڑوں تک، مردانہ سے زنانہ تک بیمار ہو گیا تھا، مدرسہ کے بھی کئی طلبہ اور اساتذہ بیماریوں کی لپیٹ میں آ چکے تھے، بیک وقت بیماروں کی یہ کثرت حضرت کی حیات میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ حضرت ہمیشہ مجھے اللھم اذھب الباس اس دعا کی تلقین فرماتے رہتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ ''عزیزم، بیماری کے دور میں تو انسان شفاء یابی کی دعائیں کرتا ہی ہے، صحت کے زمانے میں بھی بیماریوں سے حفاظت کی دعائیں مانگنی چاہئے۔''

حضرتؒ بحیثیت ادیب حضرت کو فن ادب پر کامل دسترس تھی۔ اس میں مجھ جیسا ادب ناآشنا شخص کیا کہہ سکتا ہے، پھر بھی حضرت کی مہارتِ ادب کے بس دو تین لطیفے برسبیل تذکرہ قلمبند کر دیتا ہوں۔

چراغ جلایئے خدمت کے ابتدائی دور ہی کی بات ہے۔ مہمان خانے میں ظہرانے کا دسترخوان بچھایا گیا تھا اور حضرت بھی اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق مہمانی کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اچانک آپ نے درمیان میں اپنے اس خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا ''بابا، چراغ جلایئے''۔ بندہ کچھ سمجھ نہ پایا۔ دوپہر کا وقت، پھر چراغ کا کیا کام، پھر اس ترقی یافتہ دور میں شہر گلستاں میں تو اس کی ضرورت بھی نہیں! پھر بھی حکم مولیٰ تھا ''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداقِ چراغ کو دریچوں کے پیچھے ڈھونڈنے لگا یہ حیرانی بھرا منظر دیکھ کر حضرت کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اور آپ نے 'ٹیوب لائٹ' کی طرف اشارہ فرمایا۔

رنگ ریز ایک دفعہ میں دفتر میں تھا، حضرت نے فرمایا کہ ''بابا، رنگ ریز کو بلائیے'' بندہ فوری طور پر کچھ سمجھ نہ سکا، الّا یہ کہ بندے کی بستی ''بیدر'' میں ایک گلی ہے، جو اسی نام (رنگ ریز گلی) سے موسوم ہے۔ بندے نے فوراً اپنے والد بزرگوار کو فون پر زحمت دی تب جا کر پتہ چلا کہ حضرت 'پینٹر' کو بلا رہے تھے۔

لاجواب ایک مرتبہ دفتر میں حاضری ہوئی، حضرت کے سامنے حضرت کے قریبی مہمان پروفیسر سید منظور صاحب بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک طرف حضرت کے جانشین اور میرے مشفق استاذ حضرت احمد معاذ صاحب دامت برکاتہم اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں کھڑے مدرسے کا کچھ کام کر رہے تھے، پروفیسر صاحب نے کچھ ایسی بات کہہ دی کہ حضرت احمد معاذ صاحب سعودی رشادی (مہتمم صاحب) کو ہنسی آگئی، پروفیسر صاحب نے فوراً حضرتؒ کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ دیکھیے حضرت احمد معاذ صاحب میری بات پر ہنستے ہیں، حضرت نے برجستہ فرمایا ''ہنستے نہیں ہیں، خوش ہوتے ہیں''۔

پروفیسر صاحب تائیدانہ عرض کرنے لگے۔ ''میں کیا کہوں مولانا، آپ ہر بار مجھے لاجواب کر دیتے ہیں''۔

درمیان میں حضرت احمد معاذ صاحب (مہتمم صاحب) دامت برکاتہم کی ایک بات ذکر کرتا چلوں کہ حضرت نے فرمایا تھا ''جب بھی صرف حضرت بولا جائے تو اس سے فقط حضرت مفتی صاحب ہی مراد ہوں گے، اذا اطلق اللفظ یراد به فرد کامل'۔

میں اتنا جذب کرلوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گذر جاوں جدھر ہوکر

اب اخیر میں یہ غمگین تحدیث بالنعمت کے طور پر اپنی ایک دو باتوں کو لکھ کر مضمون کو سمیٹنے کی کوشش کرے گا۔

ایں سعادت...... ایک مہمان جن کا حضرت سے قریبی تعلق تھا، اور ان کے فرزند ہمارے مدرسے ہی میں پڑھتے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ مزاحاً حضرت سے کہا کہ حضرت آپ شعیب اللہ (حضرتِ مرحوم ہمیشہ اپنے اس خادم کو اسی نام سے بلاتے تھے) کی جگہ میرے فرزند کو اپنی خدمت پر رکھ لیں، بندہ خود اس وقت موجود تھا، مہمان کی اس جسارت پر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، فوراً ہی حضرت نے دلِ مضطر کی تسکین کا سامان کیا اور فرمایا ''بابا! ایں سعادت بزورِ بازو نیست''۔

کانوں میں رس گھولنے والی آواز ہر رشادی کی طرح میری بھی یہ خواہش تھی کہ حضرت مجھے ''عزیزم'' کہہ کر بلائیں، اور اللہ کے فضل سے زمانہ طالب علمی ہی میں اللہ نے یہ مقام دلایا، اور حضرت کی زبان مبارک سے یہ لفظ بارہا سنائے، لیکن اس سے بڑھ کر جماعت ششم میں ایک مرتبہ حضرت قبلہ ہسپتال میں زیر علاج تھے اور حضرت احمد معاذ صاحب (مہتمم صاحب) دامت برکاتہم کی کرم فرمائی سے بندے کو دن رات حضرت کے پاس رہ کر

خدمت کا موقع ملا، اسی موقع سے ایک مرتبہ جمعہ کے دن کانوں میں رس گھولنے والی حضرت کی یہ آواز آئی، حضرت مجھ سے فرمارہے تھے "جاؤبا، جاکر نماز پڑھ کرآؤ" - یہ سننا تھا کہ مارے خوشی کے بدن میں بجلی سی کوندگئی، اور میں جھوم اٹھا، مجھے حضرت کے اس جملے کے سامنے "عزیزم" پھیکا لگنے لگا، اس لئے کہ حضرت کا یہ طرزِ تخاطب صرف اپنے فرزندان ہی سے گفتگو کرتے ہوئے سننے میں آتا تھا۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تیری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

حسنِ انتخاب جماعت ہفتم کا دور تھا، ایک دفعہ مخدومِ من نے فرمایا "کہ بابا! اب آپ کے بعد کون مہمانوں کی خدمت کریں گے؟" خادم نے اپنے ماموزادرضا محمد خان (جواب مولانا رضا محمد خان صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور ہیں) کا نام پیش کیا۔ ان کے متعلق آگے چل کر حضرت نے فرمایا تھا، "عزیزم، آپ کا انتخاب حسنِ انتخاب تھا"

خادموں سے حسن سلوک بحیثیت خادم ہم حضرت والا کا چاہ کر بھی اتنا خیال نہ رکھ پاتے جتنا خیال اور لحاظ ہمارے مخدوم ہمارا فرماتے۔

اکثر ماہ رمضان المبارک کی تعطیلات کا بیشتر حصہ...... رغبا و لا رهبا ...... بغرضِ خدمت مدرسہ ہی میں گذرتا، ایک مرتبہ رات میں تھک کر سویا تو خوب گہری نیند لگی، سحری کا بھی ہوش نہ رہا۔ دروازے پر دی جانے والی بار بار کی دستک سے آنکھ کھلی، دروازہ کھول کر دیکھا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، حضرتِ والا توشہ لیے ہوئے کھڑے تھے، اور مسکراتے ہوئے فرمارہے تھے "عزیزم، آپ سحری نہیں کریں گے؟ لیجئے، وقت کم ہے، جلدی سے کرلیجئے"

ایک شفیق باپ کی طرح آپ اپنے ماتحتوں کا خیال فرماتے تھے۔

نفس نفس میں برکتیں قدم قدم پر رحمتیں جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گذر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک وہیں وہیں سحر ہوں جہاں جہاں سے وہ گذر گیا

بس اب آنکھیں ترستی ہیں، اور دل مچلتا ہے، حضرت کی خدمت میں گزرے ہوئے لمحوں اور حضرت سے وابستہ یادوں کو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا سہارا بناتا ہے۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے
آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

اللہ سے دعا ہے کہ ان سنہرے لمحات کو دلوں میں ہمیشہ باقی رکھے، خدمات قبول فرمائے۔ حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اے روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم!

دامنِ رسول ﷺ میں ایک شکستہ دل کی فریاد

از: رافعہ سعادت یم اے (علیگ)
نمبر627، 15واں مین، 24واں کراس، بنشنکری سکینڈ اسٹیج، بنگلور ۷
موبائل 9845462748

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر!
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

میں ورطۂ حیرت میں گم ہوں، باعثِ ہجومِ یاس، قوتِ گویائی سے محروم ہوں، میرا قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے، الفاظ مفلس ہو گئے ہیں اور خیالات لفظوں کے احاطے سے باہر ہیں۔ بارگاہِ رسالت مآب میں کشکولِ گدایانہ لئے ملتجی ہوں، عالمِ اسلام کی خونین داستان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سناؤں تو کس کو سناؤں؟ اس یقین کے ساتھ فریاد کی جسارت کر رہی ہوں کہ خالی ہاتھ نہ لوٹائی جاؤں گی۔ آج انسانی زندگی ایک عالمگیر دورِ اضطراب سے گزر رہی ہے۔ شب و روز کا خون خرابہ دیکھتے ہوئے سانس سکتے میں ہے، امن نایاب ہے، حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، اخلاقی قدریں ختم ہو رہی ہیں، مسلمان کرب و بلا کی کیفیت میں مبتلا ہیں، وہ اسلام کے نام پر تذلیل و تحقیر کا تختۂ مشق بن گئے ہیں۔ آج دہشت گردی انسانی تاریخ کا ایک تاریک اور شرمناک باب ہے۔ عالمِ اسلام کی کہانی زخموں کی زبانی بن گئی ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا شیرازۂ امن بکھر کر غبارِ راہ بن گیا ہے۔ دنیا ایک بار پھر عدل و انصاف سے خالی اور ظلم و ستم سے بھر گئی ہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک دنیا کا کوئی علاقہ ایسا نہیں کہ جہاں ماحول پر سکون ہو، جہاں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، جہاں ظلم و ستم کا نام و نشان نہ ہو، جہاں لوگ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوں۔ ہماری بدنصیبی تو یہ ہے کہ کوئی پر خلوص رہنما نہیں ہے۔

اے نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام تو دائمی امن و سکون و سلامتی کا مذہب ہے اور مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اُن کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ موجودہ دور میں انتہائی مشکل بلکہ ناممکن بن گیا ہے، اس جہانِ رنگ و بو میں قافلہ انسانیت کی چیخیں نکل رہی ہیں، اور ماؤں کی گودیں اُجڑ رہی ہیں، بچوں کی

چیخیں بلند ہو رہی ہیں، مسجدوں پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں، بم کے دھماکوں سے زمین ڈہل رہی ہے، دہشت گردی سے معصوم بچوں کے سینے چھلنی ہو گئے ہیں۔ پوری قوم گویا بربریت اور دہشت گردی کی زد میں ہے۔ کوئی جائے پناہ نہیں، کوئی سائبان نہیں۔ پہلے افراد کو غلام بنایا جاتا تھا، آج اقوام کو غلام بنایا جا رہا ہے۔ ضابطۂ اخلاق بالکل ناپائیدار ہے، عزت آبرو، ہمدردی، انسانیت، اخلاقیات، عبادات کچھ بھی تو محفوظ نہیں ہیں۔ لوٹ مار، رشوت، بدعنوانی، ناانصافی، سفاکی کا ہر طرف بازار گرم ہے۔ پرنٹ اور ایلیکٹرانک میڈیا کی دلشکن اور روح فرسا مناظر کی تصویر کشی دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مزید برآں چینلس کی بھرمار نے نئی نسل کو تباہی کے دہانے پر آن کھڑا کیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا خون اتنا ارزاں ہو گیا ہے کہ بے دریغ بہہ رہا ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ آئے دن کے یہ سانحے تاریخ کے چہرہ پر ایک بدنما داغ بن گئے ہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم! کسی بھی معاشرہ کی ترقی میں نوجوان طبقہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ علمی اخلاقی اور سماجی خدمات کی ذمہ داری کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھا سکتا ہے۔ انہیں سے قوموں کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ سوچ بلند، ارادے مضبوط اور خلوص و نیت ہو تو مشکل کام بھی آسان ہو سکتا ہے، اور ایک نئے انقلاب کا پیش خیمہ بھی بن سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے بدترین سانحے جس سے ساری قوم لرز کر رہ گئی یقیناً ہماری غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہیں، کیونکہ مذہب کی غلط تشریح نے نوجوانوں کے دماغوں کو بھٹکا دیا ہے، جس کے سبب اُن کا ایمان بھی آلودہ ہو گیا ہے، اور آپؐ کی تعلیمات کی پیروی کے بجائے پامالی کر رہے ہیں، ہم بھول گئے ہیں کہ ہم آپؐ کی معتبر اُمت ہیں، اور آپؐ نے ہمیں صراطِ مستقیم کا سبق دیا تھا۔ ایک دور وہ بھی تھا کہ ہم سرمایۂ افتخار تھے اور آج ہم ذلیل و خوار ہیں۔

تاتاری قوم وہ تھی جس نے دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، اُن کے دور میں ہر طرف موت کا رقص اور دہشت کی فضا طاری تھی، بربریت، وحشت، خون اور آنسو اس دور کی تاریخ انہیں الفاظ سے رقم کی جا سکتی ہے۔ وہ جنگجو نہیں تھے مگر عذابِ الٰہی ضرور تھے، جو انسانیت کو پامال کرتے تھے اُن کے سامنے جن و انسان حیوان اور اخلاقی اقدار کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہلاکو خان نے جب بغداد پر حملہ کیا تو خونِ مسلم اتنا ارزاں ہوا کہ تاتاری فوج کے گھوڑوں کے سُم خون میں ڈوب گئے، کتب خانے جلا دئے گئے، کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دی گئی، سارا پانی سیاہ پڑ گیا حتیٰ کہ وہاں علم کا سورج ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ ان نام و نہاد مجاہدین کے خونچکا حملوں سے بھی آج انسانیت انتشار و افتراق کے جہنم میں جل رہی ہے۔ ایسا دکھائی دے رہا ہے گویا تاتاریوں کی بربریت پھر سے لوٹ آئی ہے، افسوس تو اس بات کا ہے کہ صدیوں پہلے انسانی نسل اتنی تہذیب یافتہ نہ تھی، تاتاری تو وحشی تھے، مذہب سے ناآشنا اور انسانیت سے عاری، حیوانی جبلت سے بھرپور تھے۔ جبکہ یہ نام و نہاد مسلمان دانش وری کا ڈھنڈورا پیٹنے والے بظاہر مذہب کا لبادہ اوڑھے قتل و غارت گری کشت و خون کو جہاد کا نام دیتے ہیں، وہ نئی نسل کو مذہب کے نام پر گمراہ کر رہے ہیں۔

ذرا چشمِ تصور میں طائف کا وہ واقعہ لایئے، طائف کے سرداروں کو اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچانے کے لئے آپؐ نے اس وادی کا رخ کیا، ان سنگدل سرداروں نے نہ صرف آپؐ کے پیغام کو ٹھکرایا بلکہ نوجوانوں کو آپؐ کا مذاق اڑانے، آپ پر آوازیں کسنے اور پتھر برسانے کے لئے آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ظالم آپؐ پر اتنے پتھر برسائے کہ نعلین مبارک میں خون جم گیا۔ یہ آپؐ کے لئے انتہائی سخت ترین دن تھا۔ آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی اور یہاں آپؐ نے غم اور درد کی شدت اور بے بسی کی حالت میں ربِ ذوالجلال کے حضور ہاتھ پھیلا دئے اور کہا ''میں کمزور ہوں تو قوی ہے، میری بے بسی کے عالم میں دنیا کی کوئی طاقت سوائے تیرے میری مدد نہیں کرسکتی، ربِ کریم میری مدد فرما'' (آمین)

اپنے آپ کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لئے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہماری علمی غربت ہماری پسماندگی کی دلیل ہے، ہمیں علم کی شمع کو روشن کرنا ہے۔ ان تمام بچوں کو جو علم کی روشنی سے محروم ہیں، درسگاہوں میں جانے کے بجائے سڑکوں پر بھٹک رہے ہیں، محنت و مزدوری پر مجبور کئے گئے ہیں، اُن تک بھی علم کی روشنی پہنچائی جائے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ایسے بے علم بچے ہی اکثر دہشت گردوں کا ہتھیار بنتے ہیں۔ اُن کے کورے ذہنوں پر اپنی مرضی کی عبارت تحریر کرکے انہیں استعمال کرتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے منور گوشوں سے آگاہ ہوکر اپنی زندگی کے نصب العین کو بھی اپنا سکتے ہیں، جس سے ہمیں مخلوق میں اشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

میرے آقا ﷺ! بصد احترام انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ دست و بستہ بارگاہِ رسالت پر دستک دے رہی ہوں کہ آپؐ اپنے اسوۂ حسنہ کو ہماری زندگیوں میں داخل کر دیجئے۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے، کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آپؐ کی رہنمائی ہمیں درکار ہے۔ آپؐ سرچشمۂ حیات ہیں، آپؐ کا عظیم الشان اسوۂ کامل ہی زندگی کی نوید ہے۔ فی الوقت آپؐ کی اُمت مسائلِ حیات کے سنگین و حوصلہ آزما مرحلوں سے برسرِ پیکار ہے۔ مصیبتوں کے طوفان میں گھری ہوئی ہے۔ ہم اپنے مقصدِ حیات کو بھول چکے ہیں، سوائے آپؐ کے کون ہے جو ہمیں تسلیم و رضا کی راہ بتائے، ہمارے حوصلے بڑھائے اور ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچائے، امتِ مسلمہ کو اس گرداب سے باہر نکالئے۔ آپؐ نے عارفانہ زندگی گزار کے حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں ایک بے مثل نمونہ قائم کردیا۔ رحمۃ العالمین! رحم کیجئے، آپؐ بحرِ کرم ہیں کرم کیجئے، ہمیں اپنے نصب العین کو پانے کے لئے قرآن پاک کا فہم چاہئے، جب تک اللہ پاک ہم سے کلام نہیں کرتا، ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ اللہ پاک ہم سے کیسی زندگی چاہتا ہے، اُس کی مرضی سے ہماری تخلیق ہوئی ہے، اُسی کی مرضی سے ہمیں زندگی گزارنی چاہئے، آپؐ کی تعلیمات تو روزِ روشن کی طرح واضح ہیں اور ہر ذی شعور کے لئے ایک کھلی نصیحت ہیں۔

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ

آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

مختصر سوانح حیات

حضرت زندہ شاہ مدارؒ

الحاج شیخ محبوب

آپ کا پورا نام حضرت سید بدیع الدین احمد ہے۔آپ کو زندہ شاہ مدار،قطب مدار،مدار عالم کے القاب سے پکارا جاتا ہے۔آپ کی ولادت یکم شوال ۲۴۲ھ (856AD) میں ہوئی۔آپ کے والد کا نام سید قاضی قدوۃ الدین علی حلبی۔اور والدہ کا نام حضرت فاطمہ ثانیہ عرف فاطمہ تبریزی ہے۔آپ نجیب الطرفین حسنی و حسینی سید ہیں۔والد کی طرف سے شجرۂ نصب دس واسطوں سے سید الشہداء حضرت امام حسینؓ سے جبکہ والدہ کی طرف سے سات واسطوں سے حضرت امام حسنؓ سے ملتا ہے۔

تعلیم و تربیت : جب آپ کی عمر شریف چار سال چار مہینے چار دن کی ہوئی تو سلف صالحین کے مطابق تعلیم و تربیت کے لئے قطبِ ربانی شیخ کبیر حضرت حذیفہ مرعشی شامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔استاذِ گرامی نے بچے کو دیکھتے ہی فراست باطنی سے پہچان لیا،پیشانی کو بوسہ دیا اور زبانِ مبارک سے ھذا ولی اللہ (یہ اللہ کا ولی ہے) کی صدا نکلی۔حضرت زندہ شاہ مدارؒ نے صرف چودہ سال کی مختصر سی عمر میں حافظ قرآن کے ساتھ آپ جملہ آسمانی کتب خصوصاً توریت، زبور،اور انجیل کے بھی حافظ و عالم بن گئے۔

بیعت و خلافت : علوم ظاہری کے بعد باطنی علوم کے حصول کے لئے آپ بے قرار تھے۔والدین کریمین کی اجازت طلب کر کے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کر کے نکلے۔دورانِ سفر آپ نے ایک منزل پر قیام فرمایا۔خوب عبادت کر کے تھوڑی دیر آرام فرما رہے تھے تو آواز آئی،بدیع الدین تیری مرادوں کے حصول کا وقت قریب آ گیا ہے۔صحنِ بیت المقدس میں گروہِ اولیاء کے پیشوا اور امام تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔آنکھیں کھلی تو آپ کی دل کی دنیا بدل چکی تھی۔آپ بیت المقدس کے لئے روانہ ہو گئے۔۲۵۲ھ میں سلطان الاولیاء حضرت بایزید بسطامیؒ نے مرید کیا اور خلافت و اجازت کا زرین تاج عطا فرما کر ایک عرصہ تک مرشدِ برحق کی خدمت میں رہ کر اسلام کی حقیقی تعلیمات عرفان و آگہی و روحانیت سے مستفیض ہوتے رہے۔یکم شوال ۲۶۱ھ میں سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی کا وصالِ پاک ہوا۔مرشد کی تعلیم کے مطابق ایک عرصہ تک گوشہ نشین اختیار فرما کر مخصوص اوراد و وظائف اور ذکر و اذکار میں خود کو مشغول رکھا۔جب حج کے ایام آئے تو حج بیت اللہ کی سعادتوں سے مالا مال ہو کر مدینہ منورہ میں پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ مثال میں جلوہ گر ہوئے۔نگاہِ نبوت نے زندہ شاہ مدار کے سینۂ پاک کو جلوہ حق کا گہوارا بنا دیا۔اسی عالم میں مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰؓ تشریف فرما ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم فرمایا اے علی اس فرزندِ سعید کو علومِ باطنی سے مزید سرفراز کردو۔حضرت علیؓ حضرت زندہ شاہ مدار کو اپنی آغوش میں لے کر ولایت عظمیٰ عطا کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی حقیقی تعلیم فرما کر شرفِ وصیت سے مشرف فرمایا اور آپ کو قطبِ مداریت سے نوازا۔

قطب مداریت کیا ہے : حضرت میر جعفر مکی، خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں۔اے محبوب غور سے سن کہ اقطاب اور قطب مدار کے مراتب کیا ہیں۔اقطاب کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ چاہیں تو ولی کی ولایت کو معزول کر کے اُس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرمادیں۔اور قطب مدار کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو قطبوں کو مقامِ قطبیت سے معزول کردے اور اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کسی کام کا حکم فرما چکا ہو اور قطب مدار کی مرضی ہو کہ یہ کام نہیں ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی رضا کی خاطر فرشتوں کو اس کام سے روک دے اور قطب مدار کے کہنے پر اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ کے لکھے کو بدل دے۔مردوں کو زندہ کرنا عرش کرسی کو منتقل کر دینا، یہ سب قطب مدار کے تصرفات سے ہیں۔(بحر المعانی)

تبلیغ و اشاعت : حضرت زندہ شاہ مدار کو جو نعمتیں بارگاہِ رسالت سے حاصل ہوئیں ان نعمت الٰہیہ صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلام کی ترویج واشاعت کے دوران خلق خدا میں ان نعمتوں کو خوب خوب مستفیض فرمایا۔ چنانچہ تبلیغ دین کی خاطر سمرقند، بخارا، طوس، خراساں اور بغداد کا دورہ فرمایا۔ ہندوستان کی سرزمین پر کفر وشرک کا بول بالا تھا۔اس کفرستان کو توحید کی دعوت دینے والوں میں حضرت زندہ شاہ مدار کا اہم حصہ ہے۔

کرامات : حضرت زندہ شاہ مدارؒ ہندوستان آنے کے لئے جہاز پر سوار ہوئے۔اہل جہاز کے روبرو اللہ تعالیٰ کی توحید اور فضائلِ نبوی ﷺ بیان فرمائے۔وہ ملعون اس ذکر پاک کو سن کر چڑ گئے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگے کہ اس مسافر کو سب مل کر سمندر میں ڈال دیں۔اُدھر اُن لوگوں کا یہ مشورہ کرنا تھا اِدھر اللہ تعالیٰ کو جلال آیا اور وہ جہاز طوفان میں پھنس کر تباہ ہونے لگا۔جو لوگ اس محبوب ذوالجلال اور جگر گوشہ رسول کو غرق کرنے کا مشورہ کر رہے تھے وہ خود سمندر میں ڈوب گئے۔حضرت زندہ شاہ مدار جس تختہ پر سوار تھے اللہ کے فضل سے وہ ساحل پر جا لگا۔آپ نے خشکی پر پہنچ کر سجدۂ شکریہ ادا کیا۔اس وقت آپ کو بھوک کی شدت تھی۔آپ نے دعا فرمائی فوراً ایک آواز آئی بدیع الدین، آپ نے آواز آنے کی سمت دیکھا تو ایک بزرگ محترم کو کھڑے ہوئے پایا۔ان بزرگ نے اپنے ہمراہ چلنے کو کہا۔آپ نے اُن کے ساتھ روانہ ہوئے، وہ بزرگ آپ کو ایک وسیع وعریض باغ میں لے گئے۔تھوڑی دیر میں ایک عجیب معاملہ نظر آیا۔آپ نے اپنے جدِ امجد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک تخت پر جلوہ گر پایا۔حضرت زندہ شاہ مدارؒ نے حضور کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ

پیش فرمایا۔ارشاد ہوا کہ اے لختِ جگر قریب آؤ۔آپ قریب پہنچے،ایک خوان غذائے ملکوتی لبریز غیب سے نمودار ہوا حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے نو لقمے کھلائے۔جس کو کھاتے ہی نو طبقات روشن ہو گئے۔اور بھوک کی خواہش ختم ہو گئی۔سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کو وہ لباسِ اطہر پہنایا جو تمام عمر زیب تن رہا۔نہ کبھی میلا ہوا اور نہ ہی پرانا۔اس کے علاوہ حضور ﷺ نے آپ کے چہرۂ اطہر پر دستِ نورانی پھیر دیا۔دستِ اقدس کے مس ہوتے ہی آپ کا چہرہ مبارک تجلیاتِ الٰہی کا آئینہ بن گیا۔

صاحبِ نجم الہدیٰ حضرت نظام الدین حسن تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت زندہ شاہ مدار تبلیغ کے لئے استنبول (ترکی) پہنچے تو ایک یہودی آیا اور دین موسوی کی تعریف اور اسلام کی خامیاں نکالنے لگا (معاذ اللہ) آپ اس کے ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے۔دورانِ گفتگو کہنے لگا کہ ہمارے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تھے سارا عالم محو ہو جاتا تھا۔یہاں تک کہ جنگلی جانور اور پرندے آب و ہوا سب زبورِ مقدس سن کر مدہوش ہو جاتے تھے۔اور تمہارا دعوہ ہے کہ وہ قرآن جو تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے وہ سارے صحائف و کتب آسمانی سے افضل و اعلیٰ ہے۔میں نے بار ہا وہ کلام سنا ہے مگر ایسی بات اس قرآن میں کبھی نہیں پائی۔حضرت زندہ شاہ مدار نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ مجھے تسلیم ہے اور بے شک یہی بات ہے جو تو نے کہی اور بلا شک قرآن کریم سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔یہودی نے ایک سوکھے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا،اگر تمہارا قرآن یہ سوکھا درخت پڑھ کر سنائے اور تمہارے دین کی سچائی کی شہادت دے تو میں تمہارے دین میں داخل ہو جاؤں گا،اور تمہارے نبی کا کلمہ پڑھ لوں گا۔حضرت زندہ شاہ مدار نے درخت کے قریب جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بہ وسیلہ پنجتن پاک رب تعالیٰ سے التجا کی کہ الٰہ العالمین باطل کے سامنے اس بندۂ ناچیز کو سرخرو فرما۔آپ نے سورۃ اخلاص تلاوت با آواز بلند فرمائی۔خدا کی شان و قدرت سے دیکھئے کہ سوکھے درخت سے بھی تلاوت قرآن کی آواز صاف صاف سنائی دینے لگی۔حضرت زندہ شاہ مدار نے پوری سورۃ کی تلاوت کی اور کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھا۔اور درخت کی سوکھی شاخوں سے کلمہ شہادت پڑھنے کی آواز آئی۔یہودی یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا،اور پڑھ لیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

ان کے علاوہ بھی آپ سے بہت سی کرامتیں ظہور ہوئیں۔آپ نے مکمل ۵۶۵ سال سے زائد دین کی خدمت کی۔ آپ کا وصال ۸۳۸ھ میں ہوا۔آپ کا مزارِ مبارک مکن پور ضلع کانپور یوپی میں واقع ہے۔اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے پیارے حبیب ﷺ اور ان کے آل و اولاد کے صدقے اولیاء سے محبت کرنے اور ان سے فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔دنیا میں جتنے بیمار ہیں شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے، بالخصوص پیر و مرشد کو ۔آمین بجاہِ سید المرسلین

جامیؔ دکن حضرت شاہ کمال ثانیؒ کے اصنافِ سخن و تقابلی جائزہ

افضل العلماء قاری ہدایت اللہ لطیفی کدری
Cell:9880562223

عارف کامل حضرت جمال الدینؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شہمیر اول کے برادر صغیر حضرت کمال الدین معروف بہ جامیؔ دکن حضرت شاہ کمال ثانیؒ ہیں۔ حضرت شاہ کمال ثانیؒ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ البتہ تاریخ وفات میں ہلکے سے اختلاف بعد محققین کے یہاں 1224 ہجری طے پائی۔ حضرت شہمیر اول خود اکابر، علماء، فضلاء و شیوخ کے زیر تربیت مدرسہ محمود گاواں بیدر میں کسب فیض کیا، پیکر علم و عمل مجسمہ صبر و استقلال، نمونہ اسلاف، عالم فاضل و صوفی بن کے کیا نکلے کہ اسی نتیجے میں اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال ثانی کو بھی یگانہ روزگار مفسر، محدث، دیگر علوم متداولہ میں نہ صرف کامل بنادیا بلکہ طلعت فاخرہ وخرقۂ خلافت سے بھی نوازا۔ حضرت شہمیر اول اپنے شیخ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت خواجہ نائب رسول اللہ کو امام و مقتدیٰ تسلیم کیا۔ ازدیاد فیض و تسکین خاطر کے لئے اکثر خواجہ کے اسفار میں ساتھ رہتے۔ اس زمانے میں رفض شعیت کا غلبہ تھا۔ حضرت خواجہ کی سرپرستی حضرت شاہ کمال اور ان کے معاصرین جو حضرت خواجہ کے خلیفہ بھی تھے اپنی تحریری و تقریری خدمات پیش فرمائے۔ سرزمین اولیاء شہر گڈپہ و نواح کڈپہ سلطنت خداداد میں شامل تھے چونکہ یہ دور حضرت جمال الدین بخاری ان کے صاحبزادے حضرت شہمیر اول کا دور رہا۔ بہت مناسبات سے نواب حیدر علی نے حضرت شاہ میر اول کو بغرض رشد و ہدایت سلطنت خداداد سری رنگ پٹن آنے کی دعوت دی۔ آپ نے پیرانی سالی و مصروفیات رشد و ہدایت کے سبب معذرت خواہ ہو گئے۔ دوسری مرتبہ حضرت ٹیپو شہیدؒ نے دعوت دی۔ ظاہر ہے کہ بڑوں کا دوبارہ دعوت دینا اصرار سے کم نہیں اسلئے حضرت شاہ میر اول نے اپنے برادر صغیر حضرت شاہ کمال ثانی جو آپ کے خلیفہ بھی تھے بغرض رشد و ہدایت سری رنگ پٹن روانہ فرمایا۔ اسطرح حضرت شاہ کمال ثانی حضرت ٹیپو شہید کے مہمانِ خاص ہوئے۔ حضرت شاہ کمال سے عوام و خواص کیا راجہ پرجا؟ سبھی مستفیض ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شاہ کمال کے علم و فضل تقویٰ و تصوف و اخلاقِ حمیدہ سے حضرت ٹیپو شہید بہت متاثر ہوئے، اور بجا طور پر جامی دکن کے خطاب سے نوازا۔ حضرت شاہ کمال کے

دیگر خلفاء میں جلال الدین حضرت شاہ اکمل ہیں، جو آپ کے نورِ نظر صاحبزادہ بھی ہیں۔ شاہ اکمل صوفی بزرگ با کمال شاعر و ادیب تھے۔ بجا ہے کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے کلام پر حضرت شاہ کمال کے کلام کی چھاپ ہے۔ اپنے والد محترم حضرت شاہ کمال کے کلام پر آپ نے اشاعت کا بہت کام کیا۔ حضرت شاہ کمال کے صاحبزادوں میں حضرت لامع کڈپوی ہیں جو بغرض تعلیم و تربیت دارالعلوم لطیفہ مکان حضرت قطب ویلور میں داخلہ لیا۔ کم عمری میں اچھی شاعری فرماتے تھے۔ اللہ کو جو منظور وہ کمسنی میں انتقال کر گئے اور احاطۂ دارالعلوم لطیفیہ دفن ہوئے۔ حضرت شاہ کمال کے خلفاء میں حضرت میر حیات میسوری ہیں۔ دیگر تصنیفات کی طرح حضرات خمسہ آپ کی مشہور تصنیف ہیں جو تصوف پر ہے۔ حضرت میر حیات میسوری اپنے معاصر شاہ اکمل کی طرح اپنے شیخ حضرت شاہ کمال ثانی کے کلام و اشاعت کلام پر اپنی خدمات پیش فرمائی۔ حضرت شاہ کمال ثانی خانوادہ شہمیر ی کے قادرالکلام و پرگوشاعر ہیں۔ اپنے شمالی معاصرین غالب، ولی دکنی، مرزا سودا، حضرت میر، جن کی رباعیوں پر رباعی مخمس پر مخمس حضرت شاہ کمال نے لکھے۔ محققین نے کہا کوئی بعید نہیں کہ ان شمالی شعراء و ادباء میں حضرت شاہ کمال کے کلام سے مستفیض نہ ہوئے ہوں۔ مولوی محمد خان میسوری جو عظیم محقق ہیں فرماتے ہیں کہ معاصرین و شمالی شعراء نے استفادہ کیا ہو کہ نا کیا ہو۔ مگر حضرت شاہ کمال ثانی و قادرالکلام بے مثال شاعر ہیں کہ اپنے دور میں دوسو سال آگے کی شاعری فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کا سادہ لوح قاری شاہ کمال کے دور کی شاعری سمجھتا ہے محظوظ ہوتا ہے اور سر دھنتا ہے۔

آپ گفتگوئے مدلل، رونق دربار علم و فن، ادباء کی زبان شیریں، افتخار فکر و فن، زبان و ادب کے شمس و قمر ہیں بطور نمونہ جن اصناف پر آپ نے اپنے طبع مواج سے طبع آزمائی فرمائی ملاحظہ ہو۔

۱- ردالعجز علی الصدر

یہ صنعت نظم و نثر دونوں میں مستعمل ہے۔ نظم میں اس طرح مستعمل ہے کہ جو لفظ صدر یعنی جزءِ اول مصرع اول میں آیا ہو وہی مصرع ثانی میں ہو۔

حضرت تراب کہتے ہیں:

بال کھولے کیا تماشا کرگیا — ہوگیا عشاق پر جینا وبال
خال کو کس طرح چومے مرغ دل — رخ پہ اس کی زلف نے ڈالا ہے جال
لال لب پر پان کی لالی غضب — وصف میں اس کے زبان ہوتی ہے لال

امام الشعراء حضرت شاہ کمالؒ نے فرمایا:

یا رحیم از رحمت تو نیستم نومید زدانکہ — گفتہ لاتقنطو من رحمۃ اللہ یا رحیم

یا عفو عفو تو باللہ بیشتر از جرم من جرم من گر تو نہ بخشی گو کہ بخشد یا عفو

صنعت ترصیع: کہتے ہیں ایک موزوں مصرع ہو اس کے مقابل دوسرا مصرعہ اس طرح لائیں کہ پہلے مصرع کا پہلا لفظ دوسرے مصرع کے پہلے لفظ کا قافیہ ہو اور پہلے مصرعہ کا دوسرا لفظ دوسرے مصرعہ کے دوسرے لفظ کا قافیہ ہو مثلاً۔ حضرت نسیم کہتے ہیں۔

ہمت نے مری تجھے اڑادیا غفلت نے تری مجھے چھڑایا

حضرت منشی کہتے ہیں:

ادھر سے جہاں دار کشور ستاں ادھر سے سہ دار مازندران

شیریں مقال حضرت شاہ کمال فرماتے ہیں:

اے مثالے زابروئے تو ہلال اے خیالے زگیسوے تو لیال

تجنیس ناقص:

تجنیس زاید و ناقص کہتے ہیں کہ ایک لفظ متجانس میں دوسرے لفظ سے ایک حرف زیادہ ہو اور دوسرے میں کم۔

جیسے بات۔ نبات۔ چاہ، چاہا وغیرہ

حضرت ضامن کہتے ہیں:

ترنج اس لئے ہے ترش اس میں بھی ہے رنج برنج خود بھی ہوتے ہیں مبتلائے رنج

بحر الفصاحت ۹۰۳

ماہر فن حضرت شاہ کمال فرماتے ہیں:

برجمال خلق و حسن خلق تو باد ہزار

آفرینش آفریں آفرینش آفریں

۴۔ تجنیس خط

کہتے ہیں دو لفظ متجانس بغیر رعایت نقاط و حرکات و انواع حروف کے مشابہ واقع ہوں جیسے مشکیں اور مسکین

خط اور حظ۔ زر، اور، رز۔ غرق اور عرق

حضرت داغ فرماتے ہیں:

تلافی ہوگئی عسرت کی عشرت اے زہے قسمت

مبدل ہوگئی آسانیوں سے میری دشواری

عسرت اور عشرت میں تجنیس خطی ہے:

ندرت خیال حضرت شاہ کمالؒ فرماتے ہیں:

فدا بہ آب رخت تاب درناب کنم
بہ تار زلف تو سازم نثار مشکل تتار

۵-تجنیس مطرف

کہتے ہیں کہ بعض حروف کلمے کے متجانس ہوں- جیسے چیں اور چنیں- نائے اور نوائے

حضرت نیاز فرماتے ہیں:

کس کام کی یہ ہستی موہوم کائنات
سیراب کب کرے تجھے دھو کا سراب کا

بحر الفصاحت،۹۰۶

شہنشاہ معنی آفریں حضرت شاہ کمال فرماتے ہیں:

درحسن و لطافت بہ تو کس نیست شریک
درفضل وبلاغت ز توکس نیست شریف

حضرت شاہ کمال کا کمال یہ ہے کہ دیگر شعراء اس دور کے بھی زبان دکنی اردو ہی میں مشکل اصناف کو نبھانا مشکل سمجھا مگر حضرت شاہ کمال بزبان فارسی سخت سے سخت زمین پر واصناف پر اشعار کہے- ملاحظہ ہو:

مستزاد در مستزاد

اے آنکہ بود عین تو باعین خدا عین — چوں عین عیان است،نورتو دار اعیاں
بر عجز شدہ معترف از نعت تو کونین — پیدا نہ نہاں است، وصف تو بقرآن

موشح

اے جسم تو مانند جاں بیسایہ اندر آفتاب — از ماسوے الحق غیر تو برتر شداز روے کتاب
عاجز ز درک کنہ تو علم ہمہ اہل کتاب — ازقید چوں ذات توام مطلق عیاں شد بے حجاب

مثلث

اے مرتبۂ تو علم ذات اکبر — شاہنشی و ترا دو عالم کشور
آمد ذات تو مظہر ذات الہ — مرذات ترا دو عالم آمد مظہر

ترجمہ

بتقسیم خدا خشنود گشتم — مرا علم ابلہاں راگنج و مال است
کہ بے شک مال فانی میشود زود — ولیکن علم باقی لازوال است

تضمین

اے فرش تو عرش خوابگہ خاک — شاہی و ترا دو کون املاک
در شان تو گفتا یزد پاک — لولاک لما خلقت الا فلاک

محقق ڈاکٹر راہی فدائی کی تحقیق کے مطابق حضرت شاہ کمال کے ہمعصر شعراء کی مخمس اور رباعیات پر شاہ کمال نے بھی مخمس اور رباعیات تحریر فرمائے۔

آپؒ خوش قلم، شستہ وشگفتہ قلم، کعبۂ رخشاں، لعل بدخشاں، اصحاب تصوف کا تعلق باللہ، جنت گوش، آبروئے وخانوادۂ شہمیری ہیں۔خواجہ میر درد کا شعر ہے۔

توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں — جو کچھ کہتا ہوں برملا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس سے نہیں ہے انکار — بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

حضرت شاہ کمالؒ فرماتے ہیں۔

سائل کو جواب کیا بجا کہتا ہوں — میں آپ کو بندہ نہ خدا کہتا ہوں
میں نیست ہوں فی الحقیقت لیکن — میں ہست مطلق تھا رونما کہتا ہوں

ولی دکنی کہتے ہیں

تجھ عشق میں ولی کے انجھواں اٹڈ چلے ہیں
اے بحر حسن آ دیکھ اس پور کا تماشا

شاہ کمال فرماتے ہیں:

گر قصد سیر تجھ کو آب رواں کا ہووئے
مجھ جوئے چشم کے دیکھ آنیر کا تماشا

چندر بدن مہیار کے معاشقہ پر حضرت میراں ابوالحسن نے شعر کہا:

دل مرا بے تاب جیون مہیار ہے — اے سجیلی چال کی چندر بدن

حضرت باقر آگاہ ویلوری نے کہا:

نہیں کم ہے لیلیٰ سے چندر بدن نہ مہیار مجنوں سے کم بے سخن

حضرت شاہ کمالؒ نے فرمایا:

جب جلوہ نما ہوئے چندر بدن مطلق
ذرہ نہ رہے باقی مہیار کی ہستی سے

شہمیری اولیاء حکیم محمود بخاریؒ ۱۷/۷۰

مرزا محمد رفیع سودا کا شعر ہے جس پر حضرت شاہ کمالؒ نے غضب کے اشعار نوک قلم سے مترشح فرمائے۔

مرزا محمد رفیع سودا فرماتے ہیں:

مہر برذرہ میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظران ہے کہ نہیں

حضرت شاہ کمالؒ فرماتے ہیں:

زاہدا چشم تری کہہ نگراں ہے کہ نہیں
دیکھ ہر ذرہ میں خورشید عیاں ہے کہ نہیں

پردۂ غفلت کا اٹھا دیدۂ عرفان سے دیکھ
شاہد غیب کا آئینہ جہاں ہے کہ نہیں

ولی دکنی فرماتے ہیں:

ترا مکھ حسن کا دریا
وو موجاں چین پیشانی
اوپر ابرو کی کشتی کے
یہ تل جیوں ناخدا دستا

حضرت شاہ کمال نے اس پر نعتیہ اشعار تحریر فرمائے:

نبی کے ذات کے مرآت میں روئے خدا دستا
جہاں کے جام میں عکس جمال مصطفیٰ دستا
خدا اور مصطفیٰ ایک دوسرے کا بلکہ ہے درپن

محمد میں خدادستا خدا میں مصطفے دستا

حضرت فی الحال شاہؒ فرماتے ہیں:

خدا ہے غیب و احمد غیب میں غیب
بہ نسبت ذات کے توجاں سبحہ کر
خدا گنج و محمد گنج میں گنج
کہ اس میں ہیں ہزاروں گنج وگوہر
خدا گیان و محمد گیان و میں گیان
جہاں ہے گیان کی صورت مقرر

حضرت شاہ کمالؒ فرماتے ہیں:

خدا گیان و محمد گیان ومیں گیان
مفصل اس کا معنیٰ بوج پہچاں
خدا دیکھ اور محمد دیکھ میں دیکھ
محصل اس کا مجمل جان عرفاں

ڈاکٹر ریاض بخاری کی اس تحقیق پر بہترین محققین، نقاد، پروفیسر عبدالستار ساحرؔ نے تصدیقی مہر ثبت فرمائی کہ حضرت ٹیپو شہیدؒ حضرت شاہ کمال کے مشوروں کی بہت قدر کرتے تھے، بیشتر کام آپ کے مشوروں سے ہوتے، حضرت ٹیپو آپ سے بہت متاثر و مستفیض تھے۔ حضرت ٹیپو شہیدؒ نے حضرت شاہ کمالؒ کو بجا طور پر جامیٔ دکن کے لقب سے ملقب فرمایا۔ آخراً 1224 ہجری میں یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ حضرت سید شاہ کمال الدین بادشاہ بخاری اول اور کمال الدین ثانی معروف بہ شاہ کمال ثانی کے مزارات ظفر آباد عرف گُرم کنڈا ضلع چتور مرجع خلائق ہیں۔

الٰہی خیر گردانی، بحقِ شاہِ جیلانی

از: کے سید احمد

سابق لکچرار دجغرافیہ، دیانندا کالج بنگلور

موبائل: 8892606937

ایسا تو دنیا جب سے بنی کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے اور ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی زمانے میں ایک سے زائد پیغمبر پیدا ہوئے، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے دور میں شعیب علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کے 570 سال بعد ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور اس کے بعد سے کوئی پیغمبر نہیں آئے۔

پانچویں صدی ہجری کا زمانہ اسلام کے لئے سخت افراتفری اور انتشار کا زمانہ تھا، بغداد پر نظامِ خلافت کمزور پڑ چکی تھی دین اپنی اصلی صورت کھو رہا تھا اور انسان روحانیت کی پاکیزہ فضا سے نکل کر مادیت کی طرف دوڑ رہا تھا، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے ولی کو پیدا کیا، یہ ولی کوئی اور نہیں بلکہ قطب القطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قطبِ ربّانی سلطان العارفین غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی سید تھے، آپ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے گیارہ واسطوں اور والدہ محترمہ کی طرف سے چودہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

حضرت شیخ عبدلقادر جیلانیؒ کے والد حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوستؒ ایک ولیٔ کامل بزرگ تھے۔ جنگی دوست اسلئے کہا کرتے تھے کیونکہ اسلام کی حفاظت کے لئے جنگ کرنے والے مجاہدین سے بہت محبت رکھتے تھے۔ آپؒ امامِ حسنؓ کی اولاد میں سے تھے۔ سرکار غوث پاک حضرت شیخ عبدلقادر جیلانیؒ سلسلہ قادریہ کے بانی اور پیشوا تھے، جن کو بہت سارے القاب سے پکارا جاتا ہے۔ پیرِ لاثانی، محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی۔ ابو محمد آپ کی کنیت اور اسمِ گرامی عبدالقادر ہے۔ والد کی طرف سے آپ حسنی اور والدہ محترمہ کی طرف سے حسینی سید ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا گھرانہ ایک بہت نہایت متقی و پرہیزگار گھرانہ تھا، آپ کے والد ابوصالح موسیٰ جنگی دوستؒ کا ایک مشہور واقعہ سے اُن کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ شدت کی گرمی وہ بھی بغداد کی سرزمین، آپ نہرِ دجلہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، نہر میں بہتا ہوا ایک سیب آپ کے ہاتھ آ گیا، اُسے آپ کھالئے، کھانے کے بعد دل میں خیال آیا کہ یہ کسی باغ کا ہے، اسی خیال سے آپ باغ کے مالک کی تلاش میں نہر کے کنارے چل پڑے تاکہ اُسے جا کر معافی چاہیں۔ جب باغ کے مالک سے ملاقات ہوئی اُس باغ کے مالک حضرت عبداللہ صومعیؒ تھے سارا واقعہ بیان کیا اور اُن سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت عبداللہ صومعیؒ نے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ نوجوان کوئی متقی اور پرہیزگار گھرانے سے ہے اور کسی اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ وہ بھی ایک اہلِ نظر تھے اس نوجوان کی پشیمانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

ایک شرط رکھی کہ بارہ سال باغ کی خدمت کریں اور آپ نے یہ شرط قبول کرلی، بارہ سال گزرجانے کے بعد رخصت چاہی تو حضرت عبداللہ صومعیؒ نے دوسری شرط رکھی وہ شرط یہ تھی کہ اپنی لڑکی جو آنکھ کی اندھی، گونگی اور بہری ہے اُس کو آپ اپنی شریکِ حیات تسلیم کرنا ہے جسے آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے قبول کرلیا۔ یہ خاتون متقی اور پرہیزگار نیک سیرت بی بی فاطمہ اُم الخیر تھیں، جس کی آغوشِ رحمت میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے پرورش پائی۔

حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ کی ولایت یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ شہر جیلان میں ہوئی جسے گیلان بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام کوہِ جودی کے قریب واقع ہے جہاں نوح علیہ السلام کی کشتی ٹھہری تھی۔

ابتدائی تعلیم : آپ کی ابتدائی تعلیم جیلان میں ہوئی، آپ مشکل سے دس گیارہ سال کے تھے آپ کے والدِ بزرگوار ابوصالح موسیٰؒ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور ساری ذمہ داری آپ کی والدہ پر پڑی اور چند دنوں میں آپ کے نانا جان عبداللہ صومعیؒ کا بھی انتقال ہوگیا چونکہ نانا کا کوئی فرزند نہیں تھا اور ساری جائیداد آپ کے والدہ کے نام وقف کردی ،آپ کی والدہ ۷۸ برس کی ہو چکی تھیں آپؒ نے اعلیٰ تعلیم کے لئے بغداد جانے کی خواہش کی جو اُس وقت علم کا بہت بڑا گہوارا تھا اُس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی یہ سُن کر نیک دل خاتون پر رقت طاری ہوگئی اور اُٹھ کر حجرہ میں گئی ایک تھیلی لاکر فرزند کے ہاتھ میں دے اور فرمایا بیٹا تمہارے والد مرحوم ۸۰ دینار چھوڑ گئے ہیں چالیس تمہارے لئے اور چالیس تمہارے بھائی کے لئے۔ چالیس دینار تمہارے حوالے کرتی ہوں اور تمہیں خدا پر سونپ دیا، اب جاؤ قیامت کے دن دیکھنے کو ملو گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نصیحت کی کہ بیٹا ہر حال میں جھوٹ نہیں بولنا۔

تعلیم اور والدہ کی نصیحت : آپؒ نے والدہ سے رخصت حاصل کی اور بغداد کے لئے روانہ ہوئے ۔جس قافلہ میں تھے اس قافلہ والوں کا جملہ سامان اور اسباب لٹیروں نے لوٹ لیا۔ اُس لٹیروں کا سردار احمد بدری تھا جو کوئی معمولی سردار نہیں تھا ساٹھ خزاقوں کے جھتے کا سردار تھا۔ جب سرکار غوث الاعظمؒ کی باری آئی تو آپؒ نے لٹیروں سے کہہ دیا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں جو بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں یہ واقعہ ڈاکوؤں کا سردار احمد بدری سنا تو حیران ہوگیا اور کہنے لگا اے بچے تو کم از کم جھوٹ بول کر اپنے دینار بچا سکتا تھا تم کیوں ایسا کیا وجہ کیا ہے؟ تم نے سچ بول دیا ۔سرکار غوث پاک نے ڈاکوؤں کے سردار سے فرمایا کہ جب میں سفر پر روانہ ہونے سے قبل میری والدہ محترمہ نے مجھے نصیحت کی تھی اے بیٹا کچھ بھی ہو جائے جھوٹ کبھی نہ بولنا، یہ جملے ترکش سے نکلے ہوئے تیر تھے جو ڈاکوؤں کے سردار کے دل میں پیوست ہوگئے۔ سردار کی دل کی دنیا بدل گئی حضرت غوث الاعظمؒ کا ہاتھ تھام لیا رونے لگا، میں نے ساری زندگی اللہ کو دھوکہ دیتا رہا، خدا کی نافرمانی، جھوٹ اور لوگوں کا مال لوٹنا۔ جو آپ ہیں کہ ماں کی نصیحت پر کاربند ہیں، سردار نے توبہ کرلی اور لوٹا ہوا مال واپس کردیا اور لٹیروں سے کہہ دیا کہ آج سے میرے اور تمہارے بیچ کوئی تعلق نہیں ہے تم جو چاہے کرلو تو دوسرے لٹیروں نے بھی توبہ کرلی اور غوث الاعظم دستگیر کے دستِ حق پر بیعت کرلی۔

طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ : ۴۸۸ھ میں آپ سرزمین بغداد میں قدم رکھا۔لگا تار مطواتر فاقوں سے آپ پرغشی طاری ہو جاتی،آپ کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی ،بھوک کے مارے آپ کا بہت برا حال رہتا،کبھی کبھی آپ بھوک کوسنبھال نہ سک کرزمین پر چیتے لیٹ جاتے۔ایک شخص حضرت کی تلاش کرتا ہوا جامع مسجد میں داخل ہو جو بھنا ہوا گوشت اور روٹیاں لے کر آیا تھا۔اور کھانے پر مدعو کیا اور کھاتے کھاتے آپ سے پوچھا گیلان سے ایک نوجوان عبدالقادر نامی تعلیم کی غرض سے یہاں آیا ہوا ہے،کیا تم اُس کو جانتے ہو؟۔آپ نے کہا جی میں ہی ہوں جو گیلان سے آیا ہوا ہوں۔اُس نے ندامت اور شرمندگی محسوس کیا اور آبدیدہ ہوکر بولا آپ میرے مہمان نہیں میں آپ کا مہمان ہوں جو تمہاری والدہ محترمہ نے تمہارے لئے آٹھ دینار دئے تھے مگر میں ان دیناروں میں کچھ خرچ کر دئے یعنی امانت میں قیانت ہوگئی۔اتنا سنتے ہی آپ نے اُسے گلے لگالیا اور اُس کے حسن واخلاق اور نیت کی تعریف کی اور اُس شخص کو تسلی دے کر محبت کے ساتھ رخصت کیا۔آپ آٹھ سال تک بغداد میں محنت کے ساتھ علم حاصل کیا۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو وعظ کرنے کی بہت خواہش تھی۔چونکہ آپ مادری زبان فارسی تھی لیکن عربی زبان میں بھی اچھی تقریر کرتے تھے۔ایک وقت کا واقعہ ہے دو پہر کے وقت آپ سو رہے تھے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ نے فرمایا اے عبدالقادر تم تقریر کرو۔میں نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری زبان فارسی ہے،بغداد کے لوگ عربی بولتے ہیں،یہ سن کر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لعاب دہن کے ساتھ قطرے میرے منہ میں ڈالے ،اس کے بعد سے تقریر کرنا شروع کر دیا۔اور میری تقریر کی شہرت سارے بغداد میں ہونے لگی۔لوگ تقریر سننے کے لئے دور دراز سے آتے اور مسجد میں جگہ بس نہ آنے کی وجہ سے بغداد کی عیدگاہ میں تقریر کا انتظام ہونے لگا۔تقریر کے دوران جب آپ کی زبان مبارک میں اتنا اثر تھا کہ عیدگاہ بھی تنگ ہونے لگی تو کھلے میدانوں میں وعظ وتقریر کرتے۔دورانِ تقریر میں جب جنت کا ذکر اور اُس کی نعمتوں کا ذکر کرتے تو لوگوں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگتے تھے۔اور دورخ اور اُس کے عذاب کا ذکر کرتے تو لوگ ڈرتے اور خوف سے چہرے زرد ہو جاتے اور کبھی کبھی لوگ بے ہوش ہو جاتے۔جب اسلام اور اس کی خوبیاں بیان کرتے تو غیر مسلم بھی اسلام قبول کر لیتے۔تقریر سننے کے لئے صرف عام انسان ہی نہیں بلکہ بڑے عالم دین، بادشاہ، وزراء موجود رہتے تھے۔آپ کی تقریر میں سامعین کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی کبھی اس سے بھی زیادہ۔آپ کی تقریر کا اتنا اثر ہوتا کہ وعظ کے دوران ستر ستر لاشیں جن کی روح قفس انثری سے پرواز ہو جاتی۔آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالوہابؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد بزرگوار ہفتہ میں تین دن وعظ فرمایا کرتے یعنی جمعہ،اتوار اور پیر کی صبح،اور وعظ کی یہ تاثیر ہوتی کہ لوگوں پر سکتہ طاری ہو جاتا،کوئی کپڑے پھاڑ لیتا اور چیخنے لگتا اور کسی کو وجد طاری ہو جاتا۔حضرت غوث الاعظمؒ ظاہری علوم معارف کے آفتاب اور امامِ طریقت تھے۔(وجد حجابات کا اُٹھ جانا وجد کرنے والے کو حق کا مشاہدہ اور اسرارِ غیب کا ملاحظہ میسر ہوتا ہے)

ازدواجی زندگی : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مختلف اوقات میں چار شادیاں کیں اور آپ کو ان چار بیویوں سے ۲۷ لڑکے اور ۲۲ لڑکیاں تھیں جو سب کے سب اولاد متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کا سلسلہ جس کو قادریہ کہتے ہیں جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ عبدالوہابؒ غوث الاعظمؒ کے بڑے فرزند اور حقیقی جانشین تھے۔ آپ ایک ایسے با مروت کریم النفس، جودوسخا اور با اخلاق تھے۔ اپنے والد محترم کے سامنے ہی نیابت درس و تدریس کا کام بہت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا کرتے تھے اور شریں کلام واعظ بھی تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاقؒ سرکار غوث پاکؒ کی پہلی بیوی سیدہ بی بی مدینہ سے پیدا ہوئے ۶۱۳ھ ہفتہ کو بغداد میں وفات پائی۔ آپ بہت بڑے عابد، حافظ، واعظ، اور صاحب فضل و کمال تھے۔ مناظرہ کا شوق بھی رکھتے تھے اور عموماً لوگوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ آپ کی نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا تو بندگانِ مخلوق کا اتنا ہجوم بڑھتا گیا کہ شہر سے لے کر شہر کے باہر تک نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ کا جنازہ جب جامع رصافہ لایا گیا تو وہاں بھی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

غیبی علم : ایک دن کا واقعہ ہے کہ سیدنا شیخ عبدالوہابؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سخت بیمار ہوگئے، اُس وقت کے بڑے بڑے حکیم جواب دے چکے تھے اور صحت کی امید جاتی رہی۔ ہم سب آبدیدہ آپ کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے اور آپ پر بے ہوشی کا عالم طاری تھا اور اس بے ہوشی کے عالم میں آپ نے فرمایا اطمینان رکھو میں ابھی مروں گا نہیں اور میری پشت سے یحیٰ باقی ہے اُس کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ ایسا ہی ہوا آپ کو صحت ہوگئی اور شیخ یحیٰ پیدا ہوئے۔ یہ سرکارِ غوث پاکؒ کو غیب کا علم نہیں تو کیا ہے۔

مریدی ھم لا تخف اللہ ربی عطانی رفعۃً نلت المعالِ

میرے مرید تو کسی سے خوف مت کر اللہ میرا رب ہے اس نے مجھے وہ بلندی دی ہے جس سے میں اپنے مقصد کو پہنچ گیا

وعبدالقادر المشھور اسمی وجدی سیدی بدرالکمالِ

کرامت کی بشارت : حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ولادت کے وقت پانچ کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ اوّل: شبِ ولادت آپ کے والد نے خواب میں دیکھا سرکارِ دوجہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوصالح اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا ہے وہ میرا محبوب اور اس کا مرتبہ تمام اولیاء و اقطاب میں بلند ہے۔ دوّم: جب آپ پیدا ہوئے تو آپ شانہ مبارک پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک کا نقش موجود تھا۔ سوّم: آپ کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں بشارت دی کہ جو لڑکا تمہارے ہاں پیدا ہوا وہ سلطانِ اولیاء ہوگا۔ چہارم: آپ کی ولادت کی شب گیلان میں گیارہ سو لڑکے پیدا ہوئے کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی۔ پنجم: آپ رمضان المبارک کی چاندرات کو پیدا ہوئے دن کے وقت دودھ نہیں پیتے تھے۔

شانِ امام اعظم ابو حنیفہؓ

از: ڈاکٹر حکیم محمد عرفان الحق القادری چشتی

ہے جہاں میں درس کا اک سلسلہ حضرتِ نعمان کا
نقش لوگوں کے دلوں میں ہے فقہ حضرتِ نعمان کا
بو حنیفہ علم کے ہیں اک سمندر بالیقیں
علم فقہ کہہ رہا ہے حضرتِ نعمان کا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ اللہ کے اس بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت رکھتے ہیں اور آخرت کے ثواب وعذاب اور دنیا کی ثباتی کو سمجھتے ہیں وہی اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔مسروق کہتے ہیں کہ آدمی کے عالم ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔(طبقات ابن سعد ج۶ ص ۶۹)۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔حضرت ربیع ابن انسؒ فرماتے ہیں۔من لم یخش فلیس بعالم۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک وہی عالم ہے جو اس سے ڈرے۔ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ تو اللہ سے ڈرنے والے علماء کے سردار تھے۔

ولادت باسعادت : سراج الامت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ ۸۵ھ میں کوفہ کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔آپ کا نام نعمان تھا اور کنیت ابو حنیفہ تھی۔والد کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطی تھا۔ایران میں جب اسلام کی اشاعت ہوئی تو جناب زوطی بھی اسلام سے مشرف ہو گئے، پھر فارس سے ہجرت کر کے کوفہ تشریف لائے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے والد حضرت علیؓ کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے دعائے خیر فرمائی۔یہ اسی دعا کا اثر تھا کہ جناب حضرت ثابت کے گھر امت مصطفیٰ ﷺ کا ایک عظیم فقیہ اعظم پیدا ہوا۔(امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات وکمالات، علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۱۳)

امام اعظم کے متعلق بشارت نبوی : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر علم دین ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو یہ فرزندانِ فارس اسے حاصل کرتے۔ان لوگوں سے مراد حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں، اس حدیث سے مراد امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذات مبارکہ ہے کیونکہ اہل فارس میں کوئی

شخص علم میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے رتبے کو نہیں پہنچا، بلکہ ان کے شاگردوں کے مرتبے تک بھی رسائی حاصل نہ کر سکا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ہزاروں عالم اور فقیہ اور محدث تیار کئے ،آپ کے شاگردوں میں امام قاضی ابو یوسف جیسا قاضی القضاۃ نظر آتا ہے۔ اسی طرح آپ کے شاگردوں میں امام محمد جیسا فقیہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک جیسا محدث نظر آتا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے صاحب مذہب امام ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ ایسے ہیں حضرت امام طحاوی جن کا پورا نام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی محدث جلیل امام نظر آتا ہے، جنہوں نے فقہ حنفی احادیث کی روشنی میں الطحاوی شریف تصنیف کی۔

علماء نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو مسائل بیان اور مدوت کئے وہ بارہ لاکھ ستر ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ (امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، ص ۳۷)

آپ اپنی ذہانت و دیانت، اخلاص اور علم کی بدولت ائمہ کے سردار ہیں۔ آج بھی دنیا میں تمام ائمہ سے زیادہ آپ کے مقلد پائے جاتے ہیں۔ ہزاروں اولیاء اللہ آپ کے مقلد ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے ہیں، لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا اور فرماتے ہیں کہ جب مجھے حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعت نفل نماز پڑھتا ہوں اور پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں فوراً حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (تاریخ بغداد، جلد اول، ص ۱۲۳)

فقہاء کی فضیلت : حضرت حمید بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ کو دوران خطبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ۔ من یرد اللہ خیر ایفقہ فی الدین۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۸)

عبادت پر فقہ کی فضیلت : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (جامع ترمذی شریف، جلد دوم ص ۲۴۲)۔ اور شہزادۂ اعلیحضرت مفتی اعظم علامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوریؒ فرماتے ہیں۔ فقہ کے بغیر کوئی عبادت نہیں، اور فقہ کی مجلس میں بیٹھنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۶)

امام اعظم ابو حنیفہ کا خواب : حضرت امام الفقہاء ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؓ تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور جملہ علوم وفنون میں کامل دست کاری حاصل کرنے کے بعد گوشہ نشینی کا فیصلہ کیا تو اس پر ایک رات خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور حضور ﷺ آپ سے فرما رہے ہیں، اے ابوحنیفہ آپ کو خدا نے میری سنت

کے زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے آپ عزلت گزینی و گوشہ نشینی کا ہرگز قصد نہ کریں۔

حضرت معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا حضور میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا عند علم ابی حنیفہ۔ ابوحنیفہ کے علم میں مجھے تلاش کرو (کشف المحجوب، از داتا گنج بخشؒ لاہور ص ۳۵۷)۔ حضرت سید علی بن عثمان الہجوری المعروف داتا گنج بخش لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ ملک شام میں حضرت بلالؓ کے روضہ مبارک کے پاس سویا ہوا تھا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ مکہ مکرمہ کے باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے تھے اور سرکار نے بڑی شفقت سے ایک بوڑھے شخص کو اپنی گود میں لیا ہوا تھا، جس طرح بچوں کو اٹھایا جاتا ہے۔ میں نے دوڑ کر قدم بوسی کی دل میں خیال آیا کہ یہ بوڑھے شخص کون ہیں؟ جن پر اتنا کرم ہے میرے دل میں اٹھنے والے سوال سے حضور آگاہ ہو گئے اور فرمایا یہ تیرے امام ابوحنیفہ ہیں۔ (کشف المحجوب، از داتا گنج بخشؒ لاہور ص ۳۵۷)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقہ یعنی دین کی سمجھ میں ماہر ہونا چاہے تو وہ امام ابوحنیفہؓ کا دامن تھامے۔ اور امام شافعیؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ خیر کا انعام فرماتا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس قدر عبادت گزار تھے کہ ہر رات تین سو رکعت نفل نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے راستے میں ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی تھی کہ یہ آدمی ہر رات پانچ سو نفل نماز پڑھتا ہے۔ آپ نے یہ بات سنتے ہی ارادہ فرمایا کہ آج سے ہی پان سو رکعت ادا کیا کروں گا، تا کہ ان کا گمان صحیح رہے۔ ایک دفعہ آپ راستے سے جا رہے تھے کہ آپ کو دیکھ کر لڑکے نے کہا یہ مرد ہر رات ہزار رکعت نفل نماز پڑھتا ہے چنانچہ آپ نے ہر روز ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ (مراۃ الاسرار، از حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی، ص ۲۶۸)

اسد بن عمیر فرماتے ہیں، امام الفقہاء ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اور اکثر راتوں میں وہ ایک رکعت میں پورا قرآن پاک ختم فرمالیا کرتے تھے۔ ان کے پڑوسی ان کے رونے کی آواز سنتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان پر رحم فرما۔ یہ بھی خوب یاد ہے کہ جس جگہ آپ کا انتقال ہوا وہاں آپ نے ستر ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم فرمایا۔ اور آپ نے تیس سال افطار نہیں کیا (مسلسل روزے رکھے) (تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی، ج ۱۳ ص ۳۵۴)

حامد بن آدم فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن مبارکؒ کو کہتے سنا کہ میں کسی کو امام اعظم ابوحنیفہؒ سے زیادہ متقی نہیں دیکھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ دنیائے شریعت کی زینت، شریعت مصطفیٰ کی رونق، علم و عمل کی زیبائش تھے۔ اسی طرح حضرت امام اعظم دنیائے علم اور آسمان علم کے سورج ہیں اور باقی علماء حنفی سنی تارے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام اعمشؒ جو بہت بڑے محدث تھے ایک مسئلے کو سلجھانے کی غرض سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی

طرف رجوع ہوئے۔امام اعظم نے وہ مسئلہ اطمینان سے حل فرمادیا،اوراس کا اطمینان بخش جواب دیا۔امام عمش نے تعجب سے سے پوچھا آپ نے یہ مسئلہ کس حدیث سے حل کیا۔جواب دیا اس روایت سے جوایک مرتبہ آپ نے مجھے اپنی سند سے بیان کی تھی۔اس حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے۔محدث اعظم امام عمشؒ یہ سن کر بے اختیار کہہ اٹھے ۔ہم محدثین دوافروش ہیں اورتم فقہاء ڈاکٹر ہو۔یعنی ہمارا کام حدیث جمع کرلینا اور صحیح وضعیف کو پرکھ لینا ہے۔لیکن حدیث سے احکام اور مسائل نکالنا تم فقہاء ہی کا کام ہے۔سبحان اللہ امام اعمشؒ نے کتنی جامع بات فرمائی ہے۔

یحیٰ بن نصر فرماتے ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ اکثر رمضان المبارک میں ساٹھ قرآن پاک ختم کرلیا کرتے تھے۔(تاریخ بغداد،ج ۱۳،ص ۳۵۱)

آپ کے اقوال : ☆علم بغیر عمل کے زہر قاتل کی مانند ہے☆فقیر فقیہ (دین کی صحیح سمجھ کی بات) اس شخص کے سامنے مت بیان کرو جو اسے سننا نہ چاہتا ہو۔اور جو شخص تمہاری بات درمیان میں کاٹ دے اسے خاطر میں نہ لاؤ، کیونکہ اسے علم وادب میں تم سے محبت نہیں ہے۔

خلیفہ ابو منصور نے امام اعظم کو منصب قضا پیش کیا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔بادشاہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے منصب قضا قبول کرنا گوارا نہیں۔منصور نے اسی وجہ سے آپ کو ۱۴۶ھ کو قید میں مقید کردیا،آپ کو روزانہ کوڑے لگائے جاتے تھے لیکن پھر بھی تعلیم کا سلسلہ اور سنت مصطفیٰ کو زندہ کرتے رہے۔امام محمد نے جو فقہ حنفی کے دست وبازو ہیں قید خانہ ہی میں تعلیم پائی،منصور بڑا ظالم تھا اس ظالم نے بکثرت مخلوقِ خدا کا قتل عام کیا ہے۔اور اسی ظالم نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو زہر دلوایا۔جب امام اعظم کو زہر کا اثر ہوا تو قید خانہ ہی میں ۷۰ برس عمر میں ۱۵۰ھ میں بحالت سجدہ وصال فرمایا۔انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت امام المسلمین شہنشاہِ علم حدیث ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے پڑوس میں ایک صاحب کا مکان تھا۔حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا جب وصال شریف ہوا تو اسی پڑوسی کے ایک چھوٹے بچے نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان سامنے امام اعظم ابو حنیفہ کی چھت پر ایک ستون نظر آتا تھا اسے کیا ہوا؟ کیا کسی نے اس کو گرادیا؟ جو نظر نہیں آتا۔باپ نے بڑی محبت سے فرمایا،اے لختِ جگر یہاں کوئی ستون وغیرہ نہیں تھا۔وہ شریعت کے ستون حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ہی تھے جو ساری رات چھت کے اوپر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اب وہ ستون گر گیا ہے۔یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا وصال شریف ہوگیا۔

آپ کے جنازہ میں پورا بغداد امڈ آیا پچاس ہزار لوگ آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔اور آپ کی نماز جنازہ ۶ بار پڑھی گئی،اور عصر کے وقت دفن کیا گیا۔آپ کا مزار شریف بغداد میں مرجع خلائق ہے۔اللہ تعالیٰ آپ پر ہزاروں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔آپ کے صدقے ہماری مغفرت فرمائے۔آمین

تصوف کیا ہے...؟

از: مولانا سید قمر اللہ شاہ قادری
خطیب مسجد، رحیمیہ، میسور روڈ، بنگلور
موبائل: 9916278695

الحمد لله رب العالمين، لهُ الملك و لهُ الحمد حمداً دائماً ابداً كثيراً كثيراو الصلوة و السلامُ علىٰ رسولهٖ سيدالانبياءِ والمرسلين صلى و سلم و بارك عليه و آلهٖ و صحابهٖ و سلما تسليماً دائماً كثيرا

قال الله تعالىٰ فى القرآنِ المجيد والذين جاهدو فينا لنهدينهم سبلنا۔ ثم قال تبارك و تعالىٰ۔ هو الذى بعث فى اُمين رسولا منهم يتلو عليهم آيته و يزكيهم ۔ صدق الله العظيم

برادارانِ ملتِ اسلامیہ اس پرفتن دور میں جہاں بہت سے مسائل دشمنانِ اسلام کی مکاریوں اور فریب کاریوں کا شکار ہوگئے وہیں تصوف اور پیری مریدی کا مسئلہ بھی ان کی زد سے بچ نہ سکا۔ شیطان کے چیلوں نے اللہ والوں کی شان وعظمت ان کے علم وادراک اور اختیارات وتصرفات پیری مریدی تصوف اور علم باطن واسرار پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ ان لوگوں نے سرے سے تصوف کی مشروعیت واصلیت ہی کا انکار کردیا اور تمام معمولات صوفیا کو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں کا شیوہ بتاتے ہوئے بدعت سیئہ الحاد اور شرک کا فتویٰ دے دیا۔ خود سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت اس کے قائل و عامل رہے ہیں۔ مگر سنّی کہلانے والے نا اہل اور جاہل فقیروں نے اپنے اعمال اور کردار اور اپنے طریقۂ کار سے اس پاکیزہ منصب واصول کو داغدار بنادیا۔ ان ہی کی وجہ سے مخالفین اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور آج کے طفلِ مکتب اہل اللہ پر زبان درازی کرنے پر جرأت کرنے لگے ہیں۔ یادرکھئے عام مسلمان جن لوگوں کو پیر فقیر ماننے لگے ہیں وہ شرعی قوانین سے نابلد قرآن وسنت سے بہت دور بزرگانِ دین کی تعلیماتِ حقہ اور ان کے اعمال اور کردار سے بالکل جاہل ہیں۔ اور وہ احکاماتِ شریعت پر عمل پیرائی کو ضروری قرار نہیں دیتے۔ رنگین کپڑے تسبیح وعصا، تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کرنے والے اپنے گلے میں موٹے موٹے منکے ہاتھوں میں ڈوریاں پہن کر پیرولی سمجھ بیٹھے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

کارِ شیطاں می کند نامش ولی　　　　گرولی اینست لعنت بر ولی

تصوف ایمان ہی کی ایک بلند کیفیت کا نام ہے۔ تصوف نام ہے تزکیۂ نفس اخلاص اللہ وتوجہ الی اللہ کا۔ اور تقویٰ پاکیزہ اخلاق صفائے باطن اور احسان ومعلہ یہ ساری چیزیں تصوف کی روح ہیں۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''صوفی اپنے نفس کے اعتبار سے مردہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ھویت یعنی ذاتِ باعظمت سے زندہ رہتا ہے'' پھر فرماتے ہیں ''جو شخص آدابِ

نبوی وسننِ مصطفوی کا تارک ہو اس کو ہرگز عارف نہ سمجھو"۔ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "تصوف نام ہے مخلوقِ خدا سے دل نہ لگانا اور حق تعالیٰ سے دل لگانے کا"۔ حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "صوفی وہ ہے جو خلق سے کٹ کر حق تعالیٰ سے جٹ جائے"۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا کہ عارف کون ہیں؟ فرمایا "پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو برتن کا رنگ ہو، مطلب یہ کہ عارف اپنے واردات وحالات کے تابع ہو عارف ابوالوقت اپنے حال پر قابو یافتہ ہوتا ہے"۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صوفی اور عارف وہ ہے جو مخلوقات میں سے کسی چیز کا بھی مقید و پابند نہ ہو بلکہ سب سے یکسو اور مطمئن ہو۔ نہ اس کو موجودہ دنیاوی حاجات اپنا غلام بنائیں اور نہ نفسانی خواہشات اور نہ آئندہ کی تمنا اور نہ کسی حاجت اور مقصد کی طلب، اُس کی طلب صرف حق تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی یافت ہو۔ حضرت ابوتراب بخشی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں عارف رب تعالیٰ سے زبان سے دعا کرتے ہیں اور دل سے رضائے حق کے طالب ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ بدن سے ملو نہ کے دل سے، دل حق تعالیٰ کے ساتھ لگا رہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں قلب اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کا مرکز ہے اس میں صرف اللہ ہی کی یاد ہو اور اسی کی محبت ہو۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے وصل یا اس کا قرب حاصل کرنے کے سلسلہ میں جتنی چیزیں آتی ہیں ان کا ادب واحترام کرنا اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنے قرب کا وسیلہ بنایا ہے۔ محبوبانِ الٰہی کی عقیدت ومحبت اور ان کا ادب واحترام ضروری ہے کیونکہ ان ہی پاک باطن بندگانِ حق سے ہدایت وگمراہی نیکی اور بدی کی راہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والوں سے محبت حقیقت میں اللہ ہی سے محبت ہے ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ حضرت ابوالحسن علیہ الرحمۃ جو ہزار سال پہلے کے بزرگ ہیں کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مرید کی کیا حالت ہونی چاہئے؟ آپ نے فرمایا "اس کی وہ حالت ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ ان پر زمین باوجود اپنی اسعت کے تنگ ہوگئی اور ان خود ان کا نفس تنگ ہوگیا"۔ حضرت ممشاد دینوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "میں اپنے کسی شیخ کے پاس اپنے قلب کو تمام حالات وکیفیات سے خالی کر کے گیا اور ان کے برکات کا منتظر رہا جو شیخ کی زیارت اور ان کے کلام سے میرے قلب پر وارد ہوسکتی تھیں اس لئے کہ جو شخص کسی شیخ کے پاس اپنی ذاتی کیفیات وحالات کو لے کر جاتا ہے تو شیخ کے برکات سے محروم ہوجاتا ہے"۔

حضرت عبدالوہاب ثقفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تمام علوم کو جمع کرلے اور مختلف طبقات کے لوگوں کی صحبت میں بھی رہے مگر وہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کے درجہ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی شیخِ کامل کی تربیت میں رہ کر مجاہدہ نہ کرے۔ حضرت حمدون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ میرا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے اس نے تکبر کیا۔ حضرت جنید بغدادی علیہ رحمۃ فرماتے ہیں "زھد کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز سے آدمی کا ہاتھ خالی ہو اس سے اس کا دل بھی خالی ہو۔ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بندہ کو خوفِ خدا کا راستہ اُس وقت آسان ہوگا جبکہ وہ اپنے آپ کو ایک مریض سمجھے اور ہر غیر شرعی چیز سے پرہیز کرے کہ کہیں بیماری دیر تک قائم نہ رہے۔ حضرت ابو

سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قلب کے لئے یہ مناسب ہے کہ اس کے لئے خوف ہی غالب رہے کیونکہ جب امید غالب ہو جاتی ہے تو قلب فاسد ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن مبارک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اغنیاء متکبرین کے مقابلے میں صورتاً تکبر کیا جائے اور فقراء کے ساتھ تواضع اور چھوٹا پن ظاہر کرے۔ حضرت ابوعثمان مغربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کبھی نفس کو امید دلائے اور کبھی خوف، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا اور دنیاداروں سے لگاؤ آخرت سے بے فکر کر دیتی ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں عارفِ حق کا مقام بہت بلند و بالا ہوتا ہے، عارف جو کہتا ہے اس کا درجہ اس سے ماخوف ہوتا ہے اور عالم عارف نہ ہو تو جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے حال سے کم ہوتا ہے، عارف کا حال اکثر احاطۂ تقریر سے باہر ہوتا ہے اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ نفس اور شیطان سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر قربان کر دینا اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں لگا دینا اپنی لذتوں کو مجاہدہ سے کچل دینا ہر وقت یادِ حق میں مشغول رہنا یہ وہ چیزیں ہیں جن سے قلب کی صفائی ہوتی ہے۔ جس کا قلب چمکنے لگے وہی سچا صوفی اور عارف باللہ ہے۔ حضرت استاذ ابوعلی وقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ اپنے اعمال میں مخلوق پر نظر کرنے سے بچے، صدق یہ ہے کہ اپنے عمل میں نفسانی خواہشات سے باز رہے۔ حضرت ابوتراب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عارف اور صوفی رب تعالیٰ سے صرف زبان سے دعا کرتے ہیں اور دل سے رضائے مولیٰ کے طالب ہوتے ہیں، اس لئے کہ حکم خداوندی ہے کہ دعا کرو اس حکم کی بجا آوری میں دعا کرتے ہیں حقیقت میں وہ حق تعالیٰ کی مرضی پر مر مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ حضرت ابونصر بشر الحافی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے وہ لوگ کافی ہیں جو بظاہر مر چکے مگر ان کے قلوب ذکرِ الٰہی سے زندہ ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو دیکھنے سے بھی زندہ قلوب میں قساوت و پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچا کرو، غافل علماء، حق پوشی کرنے والے مبلغین اور کاہل اور سست درویش۔

حضرت محمد بن اسماعیل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جو درویش تعلقاتِ دنیا سے فارغ ہو وہ اگر نوافل و مجاہدات میں سے کچھ بھی نہ کرے تب بھی وہ ان عابدوں سے افضل ہے جن کے ساتھ دنیا ہے۔ اور جو تاریک الدنیا یعنی دنیا سے محبت نہیں رکھتا دنیا سے دلی لگاؤ نہیں رکھتا وہ اللہ ہی سے دلی لگاؤ رکھتا ہے اُس درویش کے عمل کا ایک ذرہ اہل دنیا کے پہاڑ کے برابر اعمال سے افضل ہے۔ حضرت ابن معاذ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں حقیقت محبت کی یہ ہے کہ محبوب کی جفا سے محبت میں کمی نہ آئے بلکہ اور زیادہ ہو جائے صوفی محبتِ الٰہی میں غرق ہوتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ عارفین کا عبادت و ریاضت میں اور اعمالِ صالحہ میں دکھاوا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے۔ یعنی یہ دکھاوا مریدین پر اثر ڈالنے اور انہیں بھلائی کی طرف راغب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے یاد کرنا مریدین کے لئے تلوار ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنے دشمنوں سے مقاتلہ کرتے ہیں اور آفتیں جو ان پر آتے ہیں دفع کرتے ہیں اور جب کوئی بلا قریب آتی ہے تو اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم نے

فقیری طلب کی تو خود بخود غنا ہمارے سامنے آ گیا تھا اور لوگوں نے غنا طلب کیا تو فقیری محتاجی آ گئی۔ حضرت یحیٰ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کل بروزِ قیامت نہ غنا کا کوئی وزن ہوگا اور نہ فقیری کا بلکہ درحقیقت وزن تو صبر وشکر کا ہے، غنا پر شکر اور فقیری پر صبر۔ بعض بزرگ غنا کو مصیبت اور فقیری کو نعمتِ حق تصور کرتے ہیں۔

صوفی کو چاہئے کہ اوراد و وظائف سے زیادہ واردات کے تابع رہے، ہمیشہ مرشد کے ساتھ ذہنی وقلبی تعلق رکھے، مرشد پر اعتراض نہ کرنا ان کا ادب واحترام کرنا ضروری ہے۔ جواہر سلوک میں ہے تسلیم ورضا محبت والفت طاعت وفرمانبرداری کے وصف کے ساتھ اور حسنِ اعتقاد کے جذبات کے ساتھ مرشد سے تعلق رکھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ مرشد ایک مظہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے متعین فرمایا ہے اور مجھے صرف اسی کی ذات سے فائدہ حاصل ہوگا اس کے علاوہ کسی سے نہیں اگر چہ کہ دنیا مشائخ سے بھری ہو۔ مرید کے دل میں اپنے مرشد کی سوا دوسرے کی جانب رجحان ومیلان رہے تو شرحِ صدر نصیب نہ ہوگا۔ روحِ انسانی صفاتِ الٰہیہ کے انوار وبرکات کے نزول کا مقام ہے۔ مرشد اپنے مریدوں میں نبی کا آئینہ ہے جس طرح امت میں نبی کی حیثیت ہے اسی طرح مریدین کے لئے مرشد ہے، ہاں تمام مشائخین سے حسنِ اعتقاد رکھیں ان کی تعظیم وتوقیر کریں لیکن فیضِ ربانی خصوصی طور پر صرف اپنے مرشد کی روحانیت سے وابستہ ہے۔ مرشد کی محبت و اطاعت نبی کریم ﷺ کی محبت واطاعت ہے۔ یہ تصور ہمیشہ باندھ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور نبی کریم ﷺ کے توسّل سے مرشد کے قلب پر سلسلہ بہ سلسلہ نازل ہو رہا ہے اور مرشد کے قلب سے وہ نورِ حق کی تجلی میرے قلب پر وارد ہو رہی ہے۔ تصورِ شیخ سے دل کی صفائی ہوتی ہے اس کی یاد اللہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے اس کی صحبت حق تعالیٰ کی ہم نشینی کے مصداق ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القول الجمیل میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ قیشری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن محمد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے اور انہوں نے سعید بن عثمان علیہ الرحمۃ سے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کو کہتے سنا ہے کہ طریق میں سارے کلام کا مدار چار چیزوں پر ہے اول سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت دوسرے سب سے کم دنیا سے بغض تیسرے قرآن کا اتباع چوتھے حالت کے بدل جانے کا خوف۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں لوگوں کے خیال سے عمل کا چھوڑ دینا ہے ریا ہے اور ان کے دکھانے کے لئے عمل کرنا تو شرک فی الاعمال ہے۔ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک پانی پلانے والے کے پاس گزر ہوا وہ کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو ہمارا پانی پئے۔ اُس وقت میں روزہ سے تھا جب اس کی آواز سنی تو آگے بڑھا اور پانی پی لیا، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ روزہ سے ہیں میں نے کہا مجھے یہ توقع ہوئی کہ اس دعا سے مجھ پر رحمتِ الٰہی ہوگی۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے فرموداتِ طیبات میں فرماتے ہیں اے شخص تیری طبیعت خواہش اور شہوت سے لبریز ہے تیری حالت تو یہ ہے جب نماز کے لئے کھڑے ہوتا ہے تو اپنے قلب اور وسوسوں سے خرید وفروخت اور خورد ونوش اور نکاح میں لگا رہتا ہے، ایک شخص نے عرض کیا اس کا علاج کیا ہے، غوثِ پاک نے فرمایا اپنے لقمے کو حرام اور شبہ کی چیزوں

سے بچانا اور دوسرا علاج یہ ہے کہ نفس کے خلاف کرنا، پھر فرمایا تیرا مقسوم تیرے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ باقتضائے طبیعت وہ ہوائے نفس شیطان کے ہاتھ سے مت کھانا بلکہ ایک ساعت تامل کر یہاں تک کہ یا اپنے جنت کے گھر میں پہنچ جائے یا اپنے رب کے قرب میں پہنچ جائے، پھر فرماتے ہیں اول علم حاصل کر اس کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر جو شخص جہالت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ جتنی اصلاح کرتا ہے اس سے زیادہ بگاڑ کرتا ہے، لہذا اپنے رب کی شریعت کا چراغ اپنے ساتھ لے کہ حکم شریعت ہی کی بدولت علم پر داخل ہوگا اور جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے زبان پر جاری کر دیتا ہے، پھر فرماتے ہیں اس دار دنیا مین باادب بنو کہ تمہارا دین اور ظاہر و باطن سالم رہے یہاں تک کہ تجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے اس وقت تیری آنکھوں تیری دہن تیرے کانوں سے حجاب اٹھالیا جائے گا اور وہ تجھ کو وہ غذا بخشے اور وہ قوت پر قوت بصیرت پر بصیرت عمر پر عمر بقا پر بقا اور رزق پر رزق بڑھاتا رہے گا اور وہ تیرے حسنِ ادب کی تعریف فرمائے گا، پھر فرماتے ہیں اے ظاہری ولایت کے دعویدار اور کھلم کھلا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے کیا تجھ کو شرم نہیں آتی حالانکہ وہ آگاہ ہے تیرے باطن اور تیرے اندرون پر اور اے وہ شخص جو تنگدستی کو ظاہر کرتا ہے اور تونگری کو چھپاتا ہے تجھ کو شرم نہیں آتی کہ دنیا کے بدلے دین کو بیچ رہا ہے، مرید صادق کی یہ شان ہوتی ہے کہ جو بھی حالت اس کو پیش آئے وہ اس کے ظاہری اعمال کو آئینۂ شریعت پر اور باطنی اعمال کو علم پر پیش کرتا ہے، بس اگر اس کے اعمال دونوں آئینوں کے موافق ہوتے ہیں تو ان کو برتر و بزرگ شہنشاہ کے حضور میں پہنچا دیتا ہے، اور اگر کوئی عمل ایک آئینہ کے موافق اور دوسرے کے نا موافق ہوتا ہے تو اس کو پیش نہیں کرتا دروازہ پر بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا معاملہ درست کرتا کہ تیری سعی مشکور اور انجام محمود ہو اللہ والوں کی صحبت اختیار کر کیونکہ ان کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب کسی پر نظر اور توجہ ڈالتے ہیں تو اس کو روحانی حیات بخشتے ہیں اگر مسلمان ہے تو اس کے ایمان اور یقین و استقامت میں زیادتی ہو جاتی ہے جب قلب درست ہوتا ہے تو نظر بھی درست ہو جاتی ہے جب قلب ونظر درست ہو جاتے ہیں تو وہ خدائے تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے اور جب کسی پر نظر ڈالتا ہے تو چشمِ معرفت اور قربِ حق سے ڈالتا ہے اس کی نگاہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اس کے قلب میں کرب کا نور ہوتا ہے اور نگاہ اس کی بجلی ہے اور وعظ اس کی بارش اس کی صحبت سے دلوں کے میل کچیل خاکستر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص کی وجد ورقص میں یہ حالت ہے کہ گویا چکی پر کھڑا ہے جو اس کو گھمارہی ہے کھاتا پیتا کچھ نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ نماز کے اوقات میں اس کی کیا حالت رہتی ہے، اس نے کہا جس وقت اذان ہوتی ہے تو اس کو سکون آجاتا ہے، آپ نے فرمایا تب تو کچھ حرج نہیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں صوفی کا دل مزکیٰ اور روح مصفیٰ ہوتی ہے راہِ سلوک طئے کرنے کے لئے اتباعِ شریعت یعنی سنت مصطفوی کی اتباع ضروری ہے، اللہ و رسول جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کاموں کو اختیار کرے جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے دوری اختیار کرے ، کفر و شرک، ارتداد بدعت خود بینی، تکبر، حسد، گھمنڈ، غیبت، عیب جوء، جھوٹ، وعدہ خلافی، ظلم و ناانصافی، فتنہ و فساد، بدشگونی

اور بدگوئی سے بچ کر رہے، کسی سے محبت رکھے تو صرف اللہ و رسول کے لئے ہو اور عداوت و دشمنی رکھے تو صرف اللہ و رسول کے لئے ہونی چاہئے۔ تمام انبیاء اولیاء صالحین سے محبت رکھے، ان کی قدر کرے، تعظیم بجالائے اسلئے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں، ان کا احترام ان سے محبت اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ ارکانِ اسلام و احکامِ اسلام کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے بری صحبتوں سے دور رہے، اپنے مرشد کی تعظیم و تکریم کرے اللہ کے لئے اس سے سب سے زیادہ محبت رکھے اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے اللہ کی مخلوق پر رحم و کرم کرے اللہ کے بندوں سے بھلائی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات رکھے، مخلوق میں اپنے آپ کو سب سے کمتر خیال کرے، والدین احبا و اقربا سے نیک سلوک کرے ان کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ رہے۔ والدین کی خدمت میں سرِ مو کوتاہی نہ کرے، ان کو خوش رکھیں ان کی خوشی میں اللہ و رسول کی خوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے اگر ایسا نہیں تو کم از کم اتنا خیال تو ضرور رکھے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت ہر حال اور ہر وقت رہنی چاہئے ورنہ نفس تو شیطان قربِ خداوندی کے حصول کے لئے سدِ راہ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بھی کریں دل سے بھی، ذکرِ خفی بھی ہو ذکرِ جہری بھی ہو، ہر سانس اور دل کی ہر ڈھڑکن میں اللہ اللہ کی صدا آنے لگے اس طرح ذکرِ حق کو سانس میں اور دل کی ڈھڑکن میں بسانے کی مشق کریں۔ ذکرِ جہر یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا، اللہ اللہ بلند آواز سے پکاریں۔ توجہ رب تعالیٰ کی طرف اور سامنے مرشد ہو تو مرشد کو حق کا آئینہ خیال کر کے مرشد پر نظر رکھے اس طرح ذکر کرتے ہوئے درمیان میں اپنے قلب کی طرف توجہ کریں اور دیکھیں کہ دل کی ڈھڑکنوں سے اللہ کی صدا آرہی ہے کے انہیں اسی طرح اپنی سانس میں اللہ اللہ بٹھانے کی سعی کریں، گہری سانس لیتے ہوئے اللہ کہیں اور پھر سانس باہر چھوڑتے وقت اللہ کہیں۔ تنہائی میں بیٹھ کر اس کی مشق کرتا رہے۔ توبہ و استغفار کی کثرت کرے، صبح شام درود شریف کا ورد رکھے، قرآن کی تلاوت کرتا رہے، حضور غوثِ پاک فرماتے ہیں اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر ہر چیز کو اس کے حوالے کردے اپنے نفس کو اس کے سپرد کردے اپنے قلب کو اس کے آگے پھینک دے، نہ زبانیں ہو نہ ہاتھ ہوں نہ پاؤں ہوں نہ آنکھیں نہ چون و چرا ہوں بلکہ ہر امر میں موافقت ہوں۔ اہل اللہ نے مخلوق کی تعریف اور مذمت کو ایسا سمجھ لیا ہے جیسے گرمی اور سردی یا جیسے رات اور دن کہ ان دونوں کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے جانتے تھے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں ہ پیر کا متشرع ہونا ضروری ہے۔ مجذوب مستان اور قلندر اور جو راہِ حق میں مجنوں یا دیوانہ ہو گیا ہو اس کا مرید ہونا صحیح نہیں ہے۔ ایسوں کو مرشد یا پیر بنانا درست نہیں ورنہ راہِ حق سے بھٹک کر حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہو جائے گا۔ اگر کوئی عقل سے ماورا کرامات یا کچھ عجیب اور تعجب خیز کام کرتا ہو مگر پابندِ شریعت نہ ہو تو اس کو پیر و مرشد ماننا گمراہی ہے۔ ہاں مجذوبوں اور مستانوں کی عزت و قدر کرنی چاہئے، ان کی بے ادبی نہیں ہونی چاہئے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسولِ کونین ﷺ کے صدقہ اور محبوبانِ حق کے طفیل مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور تمام گناہوں اور بداعمالیوں کو معاف فرما کر دارین کی سعادت مندی مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین

الائچی کی افادیت

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ قریشی، بی یو ایم ایس
ایم اے، ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی
Cell : 9994616223

موجودہ زمانے میں بیماریاں بہت ہی عام ہوتی جارہی ہیں اور ان سے سارے لوگ پریشان اور حیران ہیں۔ آئے دن نئی نئی بیماریاں نئے نئے ناموں کے ساتھ وجود میں آرہی ہیں۔ اور علاج کے نئے نئے طریقے بھی ایجاد ہورہے ہیں اور بیماریوں کے خاتمے کے لئے نئی نئی دوائیں تیار کی جارہی ہیں۔ علاج ومعالجہ کے موجودہ سارے طریقے مڈیکل ریسرچ اور سائنٹفک سائنسی اور نئی نئی دوائیں اپنی جگہ ضرور مفید ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ ہمیں قدرتی غذاؤں کے ذریعہ بھی اپنی بیماریوں کو دور کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے کھانے پینے کی چیزوں مثلاً غلہ واناج، مختلف حیوانوں کے گوشت، سبزیوں، پھلوں، خشک وترمیوؤں میں بعض بیماریوں کے ازالہ کی قوت رکھی ہے۔

قدیم زمانے میں اطباء اپنی دواؤں میں بعض غذاؤں کے اُن اجزاء شامل کرتے تھے جن سے بیماریاں ختم ہوسکتی تھیں۔ ان کے پاس بیماری کو دور کرنے کا ایک طریقہ علاج، بذریعہ غذا بھی تھا۔ موجودہ دور میں غذا سے علاج کا تصور قریب قریب ختم ہوچکا ہے اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ ہماری کون کونسی غذائیں دواؤں کا کام کرسکتی ہیں اور کون کونسی بیماریوں کا خاتمہ کرسکتی ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں سے ایک چیز ''الائچی'' بھی ہے جس کا استعمال ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں عام ہے۔

قدیم مصری باشندے الائچی کو اپنے دانت سفید کرنے اور سانسوں کو مہکانے کی غرض سے چبایا کرتے تھے، سب سے پہلے 720 زمانہ قبل از مسیح میں بابل کے ایک بادشاہ کے شاہی باغ میں اگائی گئی۔ زمانہ قبل از مسیح میں ہندوستانی ایورویدک ادویات میں الائچی کو چربی پگھلانے، نظام بول اور جلد کے امراض سے تحفظ فراہم کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ الائچی کے استعمال سے صحت پر بھی بہترین اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لئے ہری اور سفید الائچی کا استعمال سادہ پان وغیرہ کے ساتھ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ بڑی الائچی ذرا کسیلی ہوتی ہے اسلئے اس کا استعمال فقط نمکین کھانوں تک ہی مخصوص ہے۔ نمکین اور میٹھے اقسام کے کھانوں کو خصوصی ذائقہ

دینے کے لئے دنیا بھر کے طباخی ماہرین الائچی کا استعمال کرتے ہیں،لیکن جتنی کثرت سے ہندوستان اور پاکستان کی علاقائی ڈشزش میں اس کا استعمال ہوتا ہے اتنا دنیا کے کسی علاقائی پکوانوں میں نہیں کیا جا سکتا ،جیسے کہ کری ڈشزش، بریانی، پلاؤ، کباب، گرم مصالحہ اور دیگر مصالحہ جات وغیرہ۔

الائچی کی دو قسمیں ہیں۔ایک بڑی الائچی جس کی رنگت کتھئی ہوتی ہے اور دوسری چھوٹی الائچی جو سبز رنگ کی ہوتی ہے۔سبز الائچی کی پیداوار Kerla اور Srilanka میں بہت زیادہ ہے۔اس کے پتے گچھوں کی شکل میں پھول کھلتے ہیں جو بعد میں پھل کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔یہی الائچی ہے جس میں سیاہی مائل خوشبودار دانے بھرے ہوتے ہیں جو مسالے میں کام آتے ہیں۔زمانہ قدیم سے چھوٹی سبز الائچی پکوانوں خواہ میٹھے ہوں یا پھر نمکین دونوں میں استعمال ہو رہی ہے اسی کی وجہ سے لذیذ مزے دار اور خوشبودار ہوتے ہیں۔

الائچی کے طبی فائدے بھی بہت ہیں اور یہ ہزاروں سال سے ہندوستانی آیورویدک دواؤں میں بھی استعمال ہوتی رہی ہے۔مشہور یونانی طب بقراط بابائے طبیب نے بھی الائچی کی شفائی خصوصیات کو تسلیم کیا ہے۔سبز الائچی کے بیجوں سے کشید کیا ہوا خوشبودار تیل اسی طرح گرمی کا احساس دلاتا ہے جس طرح ادرک کے تیل سے محسوس ہوتا ہے۔سبز الائچی قبض کشا ہوتی ہے جسے خصوصیت کے ساتھ نظام ہضم کی تمام خرابیوں کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔بدہضمی، گیس، مروڑ اور پیٹ کی دوسری تکلیفوں میں مفید ہے۔سینے میں جلن، کھٹی ڈکار اور متلی میں دو چھوٹی سبز الائچی کا استعمال کرنے سے یہ شکایتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کو کسی قدر سکون حاصل ہوتا ہے۔قئے روکنے کے لئے کیلے کے ساتھ الائچی کھلا دیں تو قئے کا سلسلہ رک سکتا ہے،اس کا جوشاندہ پلانے سے جلد اثر ہوتا ہے۔منہ سے بدبو آنے کی مختلف وجوہات رہتی ہیں ان میں سے ایک اہم وجہ جگر کی خرابی اور اس میں گرمی ہوتی ہے،ایسے مرد اور عورتیں الائچی کے دانوں کو ہمیشہ استعمال رکھیں تو منہ کی بدبو ختم ہو جاتی ہے اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے والوں کی ناگوار تکلیف بھی دور ہو جاتی ہے۔کیونکہ الائچی کے دانوں کو وقتاً فوقتاً چبانا سانس کو خوشبودار بنا دیتا ہے۔

الائچی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو پیشاب میں جلن ہو یا پیشاب آ رہے جس کی وجہ سے جسم سے اضافی سیال مادے خارج ہو جاتے ہیں۔

سبز الائچی کا تیل استعمال کرنے سے جسم اور ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس کے چند قطرے پانی میں ملا کر غسل کرنے سے جسم کی تھکان دور ہو جاتی ہے۔اعصاب کو سکون ملتا ہے ذہنی ٹنشن اور انتشار دور ہوتا ہے اور مزاج و تسکین کی حس بیدار ہوتی ہے۔

چھوٹی الائچی کو اگر دودھ میں ملا کر استعمال کیا جائے تو دودھ میں بلغم پیدا کرنے والی خصوصیات دور ہو جاتی ہے اور

اس کا استعمال کافی میں بھی نہایت مفید ہے جس کی وجہ سے کیفین کے نقصاندہ اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔اگر سبز الائچی کو چائے کے ساتھ جوش دے کر پیا جائے تو سانس کے ساتھ جڑے ہوئے امراض مثلاً کھانسی، نزلہ، زکام، دمہ اور آواز بیٹھ جانا وغیرہ میں کمی اور افاقہ ہوتا ہے۔

چھوٹی اور بڑی الائچی یہ دونون بھی مختلف بیماریوں کے ازالہ میں مفید ہیں۔اخلاط، خلط کی جمع ہے جس کے معنی آمیزش ہے ایک چیز کا دوسرے کے ساتھ ملنا اور بدلنا۔اور غذا کے پہلے استحالہ یعنی پہلے پہل صورت بدلنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ چار قسم کا ہوتا ہے، خون، صفراء، بلغم، سودا۔اور یہ چاروں رطوبتیں بدن کے اندر ملی جلی ہوتی ہیں۔اسلئے ہر ایک کو خلط بمعنی آمیزش سے موسوم کیا جاتا ہے۔

لاطینی میں Cardamomum Elettraia کہتے ہیں اور عربی میں قاقلہ صغار کہتے ہیں اور فارسی میں ہیل بوآ، یا، شیر بوآ کہتے ہیں اور انگریزی میں The Lesser Cardamom کہتے ہیں۔

چھوٹی الائچی کے دانہ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ خوشبودار اور لطیف ہوتا ہے اس کا مزاج دوسرے درجہ میں گرم وخشک ہے۔الائچی طبیعت میں فرحت پیدا کرتی ہے، معدہ کی کمزوری کو دور کرتی ہے اور اسے تقویت دیتی ہے۔منہ کی بدبو کو خوش بو سے بدل دیتی ہے۔

الائچی کا ایک خاص نفع یہ ہے کہ غشیاں کو دفع کرتی ہے۔یہ ایک قلبی بیماری ہے جس میں دل کی کمزوری سے قوت حس اور حرکت ارادی تقریباً بے کار اور معطل ہو جاتی ہے اور مریض کا چہرہ زرد اور نبض کمزور ہو جاتی ہے۔

الائچی کا پودا عموماً زمین میں سایہ دار جگہ میں بویا جاتا ہے۔اس کے پودے گانٹھ سی ہوتی ہے اس سے ایک چھڑی نما گندل سی نکلتی ہے جس پر پتے ہوتے ہیں یہ پانچ سے آٹھ فٹ بلند ہو جاتی ہے اس کو بارش اور دھوپ سے بچانا ضروری ہے، جب یہ پودا تین چار فٹ بلند ہو جائے تو اس کو اکھاڑ کر سپاری کے پیڑوں کے نیچے لگایا جاتا ہے۔پتے ایک سے دو فٹ لمبے ہوتے ہیں اور لگ بھگ تین ساڑھے تین انچ چوڑے ہوتے ہیں جن سے لائچی کی خوشبو آتی ہے جس کے اندر سیاہی مائل دانے بھرے ہوتے ہیں۔عموماً ڈھائی گرام الائچی ایک گچھے سے نکلتی ہے جو کہ بطور دوا استعمال کرتے ہیں۔کیونکہ الائچی کا چھلکا بے ضرر ہوتا ہے جس کے کھانے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ہمارے سماج میں الائچی کا اکثر استعمال پان کے ساتھ کرتے ہیں۔منہ میں خوشبو کے لئے بھی چباتے ہیں۔

الائچی کو پیس کر سونگھنا چھینک لاتا ہے۔سونگھانے سے چھینک آتی ہے جس سے رطوبات خارج ہو جاتے ہیں۔الائچی کا ایک اور اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے جگر میں ''سدہ'' ہو تو اسکو وہ دور کر دیتی ہے۔سدہ وہ غلیظ اور لیس دار چیز ہے جو جسم میں کسی جگہ جمع ہو کر راستہ روک دیتی ہے۔

طب میں سبز الائچی کو بھی ایک مقام حاصل ہے اور اس کا استعمال مختلف بیماریوں کے لئے ادویات میں بھی کیا جاتا ہے۔اس کے بیجوں سے حاصل ہونے والا تیل بھی بہت کارآمد ہے۔

اس مقام پر الائچی کے مذکورہ فوائد کو دوبارہ ترتیب وار ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

☆ یہ منہ کی بدبو دور کرنے اور سانسوں کو مہکانے میں مددگار ہے۔

☆ یہ نظام ہضم کی خرابیوں کو دور کرتی ہے۔

☆ سبز الائچی پیٹ کے امراض سے نجات دلاتی ہے۔

☆ بدہضمی میں اس کا استعمال مفید ہے۔

☆ ریاح کے اخراج میں اس کا استعمال مفید ہے۔

☆ یہ متلی کو دور کرتی ہے،اس کے علاوہ قئے کو روکتی ہے۔

☆ یہ ڈکار اور سینے کی جلن میں مفید ہے۔

☆ چھوٹی الائچی استعمال کرنے سے ہمارے اعصاب کو سکون ملتا ہے۔

☆ سبز الائچی پیشاب آور ہے۔

☆ دودھ کے ساتھ استعمال کرنے سے دودھ سے پیدا ہونے والے بلغم کو روکتی ہے۔

☆ کھانسی اور نزلہ وزکام میں اس کا استعمال فائدہ مند ہے۔

☆ آواز بیٹھ جانے کی صورت میں اس کو چائے میں ڈال کر استعمال کیا جائے تو افاقہ ہوتا ہے۔

☆ چربی گھلانے میں بھی یہ ہماری مدد کرتی ہے۔

☆ الائچی کے تیل کے چند قطرے پانی میں ڈال کر نہایا جائے تو تھکان دور ہوجاتی ہے۔

☆ الائچی کے استعمال سے ذہنی انتشار نہیں ہوتا۔

☆ سانس کی بیماریوں میں بھی اس کا استعمال مفید ہے۔

اگر کسی کو مسلسل ہچکی لگ رہی ہو تو اس کو ختم کرنے کے لئے بڑی الائچی کا استعمال اس طرح سے کریں۔ایک گلاس پانی کو خوب گرم کریں اس کھولتے ہوئے پانی کو چولھے سے نیچے اتار لیں اور اس میں دو تین بڑی الائچی ڈال کر برتن کو بند کردیں جب پانی ٹھنڈا ہوجائے تو اس کو پی لیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی خصوصیات اور ان کے اثرات اور فوائد کا علم فرمائے اور ہمیں ان چیزوں کے استعمال سے شفاء اور صحت عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

بارگاہِ الوہیت کا ادب

از: امین اللہ خان قادری، خاکپائے اقطاب ویلور
فرزند پیرِ طریقت حضرت علامہ مولانا احمد اللہ خان مظہر صدیقی قادریؒ
خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب ویلور

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہر تعریف اور ہر عبادت اُسی کو زیبا ہے، اور ہر قولی وفعلی ادب اسی کی جناب کے لائق ہے، اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا وتنہا ہے۔ اس کوئی شریک نہیں، تاریخِ انسانیت اس پر گواہ ہے کہ اس دنیا میں جس قدر اس سے محبت کی گئی جس قدر اسے یاد کیا گیا، جس قدر اس پر جان و مال نچھاور کیا گیا۔ تنہائیوں میں بیٹھ کر جس قدر اسے پکارا گیا اور جس قدر اس کے سامنے فریادیں کی گئیں، کائنات کا کوئی دوسرا اس کا ہم پایہ نہ پایا گیا۔ پس سب عظمتوں اور بلندیوں کی معراج اور محبتوں اور چاہتوں کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اس کی جناب میں ہر قولی وفعلی ادب کا لحاظ رکھے۔

۲) یہ فطری تقاضہ ہے کہ اپنے محسن ومربی کا ادب ولحاظ بہر آن وبہر شان ملحوظ رکھا جائے۔ انسان اگر غور کرے تو اپنا انگ انگ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبا ہوا پائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ عزت نہ دے تو انسان ذلیل وخوار، وہ صحت نہ دے تو انسان بیمار، ناچارہ، وہ عقل نہ دے تو انسان دیوانہ، وہ سماعت نہ دے تو انسان بہرہ، وہ گویائی نہ دے تو انسان گونگا، وہ بینائی نہ دے تو انسان اندھا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی محسنِ حقیقی ہے۔ جبینِ ناز بھی اسی کے آگے جھکے اور ہر ادب بھی اسی کی چوکھٹ پر نچھاور کیا جائے۔ جن مقدس ہستیوں کو معرفت الٰہی نصیب ہوئی ان کی زندگی کا ہر گوشہ ادب کے عطر سے معطر نظر آیا۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید سے مثالیں: (۱) نوحؑ کی مثال، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لئے ساڑھے نوسو سال کوشش کی مگر قومِ نوح اپنی ذلالت وگمراہی وبے ادبی وشقاوت پر ڈٹی رہی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ۔ انھم کانو اقوماً عمین۔ (بیشک وہ اندھی قوم تھی)

ایک مرتبہ اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور ایزا رسانی دل برداشتہ ہوکر حضرت نوحؑ نے دعا کی۔ ربِ لا تذر علیٰ

الارضِ من الکافرین دیارا۔ اے پروردگار زمین پر کافروں کا کوئی گھر بھی سلامت نہ رکھ
اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے وحی نازل فرمائی کہ آپ کشتی بنا لیں، عنقریب طوفان آئے گا۔ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچالیا جائے اور کفار کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنالی اور لوگوں کو اس میں سوار کرلیا، آپ کا ایک بیٹا نافرمان نکلا اور اس نے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بار بار سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا، حتیٰ کہ طوفان میں غرق ہوگیا۔ شفقتِ پدری نے جوش مارا تو حضرت نوحؑ نے دعا کی۔ ربِ ان ابنی من اھلی وان وعدك الحق وانت احکم الحاکمین۔ اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل خانہ سے ہے، بیشک تیرا وعدہ سچا اور تو بڑا حاکم ہے۔ اس دعا کا ایک ایک لفظ بارگاہِ الوہیت کے ادب کی روشن مثال ہے۔ غور فرمائیں کہ حضرت نوحؑ نے یہ نہیں کہا، اے اللہ میرا بیٹا غرق ہوگیا اور تیرا وعدہ پورا نہیں ہوا، تاہم ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ یا نوح انه لیس من اھلك انه عمل غیر صالح فلا سئلن ما لیس لك به علم انی اعظك ان تکون من الجاھلین۔ اے نوح وہ آپ کے اہل خانہ میں سے نہیں اس کے اعمال ناشائستہ تھے۔ جس کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں۔ اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ حضرت اس تنبیہ خداوندی پر تھرتھرا اٹھے اور کہنے لگے۔ اے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت مجھے نہیں معلوم۔ اگر آپ مجھے نہ بخشیں اور رحم نہ فرمائیں تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں ۔حضرت نوحؑ کانپ اٹھے اور توبہ کی، یوں نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندے کو کیا مقدور ہے چاہئے کہ اس کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر ایسا نہ ہو اور نہ کرنے کا دل میں عزم رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں بھی یہی ادب ملحوظ ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو توحید کا درس دیا اور پروردگار کا تعارف ان سے ان الفاظ سے کرایا۔ وہ رب جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کرنے والا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

سبحان اللہ۔ اس کلام میں کتنی لطافت ہے کہ صفات (پیدا کرنا، ہدایت دینا، کھلانا، پلانا اور شفاء دینا) کو اللہ کی جانب سے قرار دیا، اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا، گو کہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ مگر بادی النظر میں بیماری کو عیب سمجھا جاتا ہے، لہذا بیماری کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ادب کے خلاف تھا۔ لہذا یوں نہ

کہا۔ جس نے مجھے بیمار کیا وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ بلکہ سلسلہ کلام کا انداز بدل کر یوں کہا۔ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے، بلاشبہ یہ کلام الٰہی اور ادبِ الٰہی کی بہترین مثال ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال: تاریخ الرسل والملوک میں درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل سات دن اور راتیں سفر کرنے کے بعد مدین پہنچے تو سخت تھکاوٹ اور بھوک کی حالت میں یوں دعا کی۔اے پروردگار! تو جو بھی خیر نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر اپنی دعا، اے اللہ مجھے کھانا کھلا کی صورت میں پیش کرے تو بھی گنجائش تھی، مگر آپ نے ایسے الفاظ میں دعا مانگی جو ادب بارگاہِ الٰہی کی بہترین مثال ہے۔

(۴) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے وقت بارگاہِ الوہیت میں مقام تدلی تک پہنچے تو اس قدر با ادب و باوقار کہ ربِ کائنات میں خود گواہی دی۔ ما زاغ البصر و ما طغی۔ (نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "یعنی آنکھ نے جو دیکھا وہ پورے تمکن و اتقان نے دیکھا۔ نہ نگاہ (ادب کی وجہ سے) ترچھی ٹیڑھی ہو کر دائیں بائیں ہٹیں نہ حد سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔ بس اس چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا مقصود تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اسے نہ دیکھنا اور چیز نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب (بے ادبی) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے پاک ہیں۔

حضرت محمود غزنویؒ ولیٔ کامل اور بادشاہِ وقت تھے۔ ان کا نہایت محبوب وزیر ایاز ایک مرتبہ دربار میں حاضر تھا۔ اچانک اسے وہم گزرا کہ گریبان کا بٹن جلدی کی وجہ سے کھلا رہ گیا ہے۔ چونکہ یہ بات دربارِ شاہی کے آداب کے خلاف تھی۔ لہذا فوراً اس کا ہاتھ بٹن درست کرنے کے لئے اٹھ گیا۔ عین اسی وقت سلطان محمود غزنویؒ کی نظر ایاز پر پڑی تو فرمایا۔ ایاز دربارِ شاہی میں یہ حرکت۔ ایاز ساکت وسامت باادب نفس گم کردہ کھڑا رہ گیا۔ یہ تو ایک مخلوق بادشاہ کے دربار کے آداب کا حال ہے۔ پھر اُس احکم الحاکمین کے دربارِ عالی کے آداب کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ادب سے حاضر ہوتے جس کی تصویر کشی ربِ کائنات نے ما زاغ البصر و ما طغی۔ کے الفاظ سے کی۔ باقی اعضاء کی حرکت کا تو مذکور ہی کیا اور دیدارِ محبوب میں آنکھ کی ٹکٹکی میں بھی فرق نہ آیا۔ قلب کی توجہ بھی وہی مرکوز رہی۔ نہ بہکے نہ بھٹکے، سبحان اللہ۔

وما علینا الا البلاغ

سابق ناظم صاحب حضرت پیرؒ کے دوست

محمد عبدالجبار صاحب مرحوم

از: معین الدین

مدرس اکبر نسیم امدادی اسکول، آمبور

موبائل9894991118

مرحوم کے والد محترم عالی جناب عبدالمجید صاحب ساکن متیکرہ، ہسور تعلق مشہور و معروف اشخاص میں گنے جاتے ہیں، محمد عبدالجبار صاحب اُسی قریہ میں مورخہ 4 رڈسمبر 1024ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن آپ کے والد محترم اور والدہ محترمہ کی گودی میں دینی تربیت پایا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اُسی قریہ کے سرکاری اسکول میں درجۂ پنجم تک ہوئی، بعد میں آپ کے والد محترم درجہ ششم کے لئے مسلم ہائی اسکول ویلور میں داخلہ لیا، آپ کے ہم جماعت حضرت مکان کے بزرگِ عالی جناب سید شاہ طاہر قادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم کے زیرِ سایہ میں ہوا۔ آپ نے بزرگوں کے اخلاقِ حمیدہ سے تعلیم حاصل کی اور مرحوم عالیجناب سید طاہر شاہ قادری صاحب قبلہ کے اخلاق کو بہت پسند فرمایا اور آپ نے جناب محمد عبدالجبار صاحب کو حضرت مکان میں مقیم اور طعام کا انتظام کیا۔ آپ گیارہویں جماعت کے حاصل کرنے تک انہی بزرگوں کے زیرِ سایہ رہے۔ مزید آپ نے اردو اور قرآن کی تعلیم میں یہیں سے سبقت حاصل کی، جزاک اللہ۔ گیارہویں جماعت کے ختم کے بعد آپ کے دل میں قومی جذبات ابھرے۔ لہذا انہوں نے مدرس کی خدمت انجام دینے کے لئے مدراس مدرسۂ اعظم مونٹ روڈ میں استادی تعلیم کے لئے دو سال تربیت حاصل کی، بعد میں آپ نے یہاں سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ 1951ء میں سرکاری اردو مڈل اسکول دکھنی کوٹہ، ہسور تعلق میں میر مدرس کے عہدے پر سات سال خدمت انجام دیا۔ یہاں کے طلبہ اور طالبات اور دینی تعلیم حاصل کر کے اپنے مستقبل کو سنوارا۔ آپ کی خدمات میں امیر اور غریب کا فرق نہ رہا، سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے سلوک کرتے رہے اور بچوں کے ہردلعزیز استاد بن کر بچوں کو تعلیم دیا۔

بعد میں آپ کا تبادلہ 1959ء کو سرکاری اردو اسکول گاندھی روڈ کرشنگری میں ہوا۔ یہاں آپ نے دو سال قومی خدمات سرانجام دیا، پھر آپ کا تبادلہ 1961ء میں کرشنگری دولت آباد کے نئی پیٹ کی سرکاری اسکول

میں ہوا، یہاں آپ نے بحیثیت صدر مدرس 22 سال قومی خدمات سرانجام دیا۔مزید 31رڈسمبر 1982ء میں اپنی خدمات سے سبکدوشی حاصل کی، جزاک اللہ، سبکدوشی کے بعد بھی آپ کے قومی جذبات ابھرتے رہے۔آپ آرام طلب نہ تھے بلکہ خدمت گزار تھے، جس کا ثبوت آج کئی طلباء اور طالبات اونچے اونچے عہدون پر فائز ہیں، اور شاید انہیں ہر وقت یاد کرتے ہوں گے۔

آپ کے دو فرزند اور ایک دختر ہیں، بڑے فرزند معین الدین D.Ted.مدرس اکبر نسیم امدادی اسکول آمبور، انہوں نے 21 سال مدرس کے خدمات سرانجام دیا۔دوسرے فرزند جناب نصیر الدین M.A., B.Ed. میر مدرس سرکاری اردو مڈل اسکول کرشناگری بحیثیت صدر مدرس کئی سال قومی خدمت سرانجام دیا۔ان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں تمل ناڈو حکومت کی جانب سے اسٹیٹ ایوارڈ سے نوازا گیا، اور سنٹرل گورنمنٹ کی جانب سے بھی انہیں نیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔آپ کے دختر نیک اختر کرشنگری سرکاری اردو اسکول لنڈن پیٹ میں میر مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مزید سبکدوشی میں آپ نے طلباء و طالبات کو قرآن شریف اور دینی احکامات کی تعلیم دیتے رہے۔جزاک اللہ، مرحوم آج ہم میں نہ رہے، مگر اُن کی یادگئی طلباء اور طالبات میں بازگشت کرتی رہی ہے، اور آپؑ کا ہر شاگرد آپ کے لئے دعا گو ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب کرے اور آپ کی قبر مبارک پر رحمت کے پھول برسائے۔آمین

☆☆☆☆☆

مستِ الست

از: علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی شاہ نوریؒ

تمہاری یاد ہے تم ہو تمہارے ماسوا کیا ہے
یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے زمیں کیا ہے سماں کیا ہے
کسی کو دیکھنا اور پوچھنا پھر دل لگانا کیا ہے
تمہارے ماسوا میں بھی تمہارے ما سوا کیا ہے
تمہاری ہی قسم تم کو بتاؤ تم سا کوئی ہے
تمہیں یکتائے عالم ہو تو ما کیا ہے شُما کیا ہے
مکین و لا مکاں تم ہو مکاں تم ہو زماں تم ہو
تمہیں سب کچھ رہے ہم میں ہمارا اب رہا کیا ہے
تمہیں کو دل میں رکھنا ساتھ رہنا تم پہ مر مٹنا
یہی اک کام رہتا ہے ہمیں اس کے سوا کیا ہے
یہی اک شوق ہے دل اب تمہاراہی فدائی ہو
فدا کرنے کو اب تم ہی کہو نزدِ گدا کیا ہے
تمہارا غیر کیا جانے کہ ہم کیا ہیں تمہیں جانو
تمہارے خنجرِ قاتل نے ہم کو کر دیا کیا ہے
پکڑ کر دامنِ نوری تمہارے در پہ آیا ہوں
وسیلہ ہے تو یہ ہے آسرا اس کے سوا کیا ہے
بروزِ حشر آمرؔ حق یہ پوچھے ساتھ میں کیا ہے
تو کہدوں ساتھ میں تو ہے تو پھر تیرے سوا کیا ہے

پیش کش : سید محمد باقر قادری، حضرت مکان ویلور

نماز

از متولی جعفر شریف المتخلص ظفرؔ و عادلؔ

فرض کی بندوں پہ اپنے خالقِ عالم نماز — اے عزیزو پنجگانہ تم پڑھو ہردم نماز
دین و دنیا میں نمازی کیوں نہ ہونگے سرخرو — بلکہ قربِ حق ہے جانو بھائیو اعظم نماز
ہو گئے ہیں سینکڑوں اس کی بدولت اولیاء — کرتی ہے ادنیٰ کو اعلیٰ سر بسر اکرم نماز
خوبیاں معلوم ہوگی تم کو اس کی روزِ حشر — پل صراط اُوپر چلے گی ساتھ بادائم نماز
کیا نہیں تم کو خبر یہ ہے حدیثِ مصطفیٰ — مرتبہ معراج کا رکھتی ہے یہ ارحم نماز
تم بتاؤ اب صحیح کس کو عبادت تھی معاف — کیا نہ پڑھتے تھے کہو تم حضرتِ آدمؑ نماز
نوحؑ و یحیٰؑ زکریاؑ ایوبؑ و یعقوبؑ و شعیبؑ — یا نہ ابراہیمؑ نے کہدو پڑھی ہر دم نماز
کیا نہ اسماعیلؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰؑ نے پڑھی — کیا نہیں پڑھتے ہر وقت سرورِ عالم نماز
کیا نہیں پڑھتے تھے صدیقؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ — ہے ستونِ دینِ قولِ مصطفیٰؐ اعظم نماز
دلبرِ حیدرؓ حسنؓ ہم شکلِ پیغمبرؐ شہیدؓ — کیا کبھی چھوڑے بتاؤ پی کے جامِ سم نماز
سبطِ پیغمبرؐ شہیدِ کربلا ابن بتول — کب قضا کی بے وطن کھا خنجرِ دو دم نماز
پیرِ پیراں شاہِ جیلاں دستگیرِ دو جہاں — کیا کبھی چھوٹی بتاؤ ان سے یہ اکرم نماز
شافعیؒ یا مالکیؒ یا حنبلیؒ اعظمؒ امام — کیا کبھی چھوڑے کہو یہ رہبرِ عالم نماز
مت سنو جاہل فقیروں کی جو باتیں تم کبھی — جال میں ان کے پھنسو مت تم کرو مت کم نماز
ہیں وہ سب گمراہ ان کا رہنما شیطان ہے — کہتے ہیں ہر ایک سے پڑھتے ہیں دل کی ہم نماز
تارکِ احکام جو ہیں اور جو تارکِ صلوٰۃ — ان کو دکھلاتی ہے روزِ حشر رنج و غم نماز
ہو سہارا قبر میں یارب برائے مصطفیٰ — صدق سے پڑھتے ہیں تیرے روبرو جو ہم نماز
پنجگانہ بندگی حق کی کرو اے بھائیو — امتی سچے اگر ہو تم کرو مت کم نماز
دے خدا توفیق سب کو بندگی کی رات دن — تا گزاریں دل سے سب مل دمبدم ہر دم نماز

کر ظفرؔ کی تو عبادت کو خداوندا قبول
بندۂ ناچیز عادلؔ جو پڑھے ہر دم نماز

پیش کش : مولوی الحاج جمیل احمد شریف لطیفی، ننجنگڈھ

بارگاہِ رسالت مآب

از: متولی امیر خسروؔ، جالی محلّہ بنگلور

محمد مصطفیٰ نورِ خدائے دو جہاں تم ہو
شفیع المذنبیں ہو رحمتِ کون و مکاں تم ہو
ہوئی تکمیل بھی تم سے کہ ختم مرسلاں تم ہو
رسالت کی انگوٹھی پر نبوت کا نشاں تم ہو
ہوا اکمل ادیانِ عالم دینِ پیغمبر
کلام اللہ سنائے وہ خدا کی ہمزباں تم ہو
مجسم نور کہلا خلق میں مخلوق بن آئے
محمد مصطفیٰ بے عین عرب رشک زماں تم ہو
چہارم چرخ پر جا چکے عیسیٰ تو کیا پروا
مکان و لا مکاں کی سیر میں سرور عیاں تم ہو
خدا سے مجھ کو بخشانا قیامت میں بھی اے آقا
''سہارا بے کسوں کا اے انیسِ بیکساں تم ہو''
ہے خسروؔ کیلئے کافی وسیلہ دین و دنیا میں
محمد مصطفیٰ تم ہو شفیع انس و جاں تم ہو

پیشکش :
حسین شریف خاور، جالی محلّہ بنگلور
موبائل: 9916777786

”آپ ہیں سید البشر صلی علیٰ محمدؐ“

از: سید سراج الدین منیرؔ حیدرآبادی

محرمِ راز و حق نگر صلی علیٰ محمدؐ
لاکھوں درود آپ پر صلی علیٰ محمدؐ

شاہد ذات معتبر صلی علیٰ محمدؐ
کون ہے تم سا دیدہ ور صلی علیٰ محمدؐ

نورِ ازل تمام تر صلی علیٰ محمدؐ
شکلِ بشر میں جلوہ گر صلی علیٰ محمدؐ

رازدروں سے با خبر صلی علیٰ محمدؐ
جادۂ حق کے راہ بر صلی علیٰ محمدؐ

بات یہی ہے مختصر صلی علیٰ محمدؐ
”آپ ہیں سید البشر صلی علیٰ محمدؐ“

آپ بشر سہی مگر کون ہے آپ سا بشر
نور ہی نور سر بہ سر صلی علیٰ محمدؐ

آپ کو گر بشر کہوں تو خود کو حضورؐ کیا کہوں
مثلِ بشر تو ہیں مگر صلی علیٰ محمدؐ

دیدۂ دل کی جستجو خواجۂ شہر کی آرزو
کعبۂ دانش بشر صلی علیٰ محمدؐ

آپ کا یہ غلام ہے محو دعا سلام ہے
نظرِ کرم منیرؔ پر صلی علیٰ محمدؐ

پیش کش: سید علی احمد قادری کلیم حیدرآباد

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ، چنئی

محمد مصطفیٰ کی شان دیکھو کیا نرالی ہے
نقائص کے شوائب سے بھی اُن کی ذات خالی ہے
ولیوں سے ہیں افضل انبیاء اور انبیاء سے بھی
محمد مصطفیٰ شاہِ ہدیٰ کی شان عالی ہے
ہدایت اور حکمت کے ستارے بن کے چمکے تھے
صحابہ کے دلوں میں روشنی احمد نے ڈالی ہے
حسین ابن علی نے کربلا میں سر کو کٹوا کر
محمد مصطفیٰ کے دین کی عزّت بچا لی ہے
منافق قوم کیا سنی مسلماں کا بگاڑے گی
جگر میں، قلب میں ہاں موجزن عشقِ بلالی ہے
گنہ گارو نہ گھبراؤ، سیہ کارو سنبھل جاؤ
رسولِ پاک نے کر کے شفاعت لاج رکھ لی ہے
ثنائے احمدِ مرسل نیازؔی کیا سنائے گا
ثنائے مصطفیٰ میں لب کشائی قرآنِ عالی ہے

پیش کش : سید بلال احمد شطاری، بڑا مکان، بنگلور

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

از: ندیم فاروقی، بنگلور

موبائل:9880987656

جن کی مرہونِ منّت یہ تہذیب ہے، جن سے پُر نور عالم کی ہے انجمن
نام ہے عرشِ اعظم پہ جن کا لکھا، ہیں وہی زندگی کی رُو پہلی کرن
ان کے دیدار کا جب ارادہ ہوا، نصف شب میں سرِ عرش بلوالیا
جانتے ہیں وہی کیا کیا باتیں ہوئیں، رحمتِ عالم اور صاحبِ ذوالمنن
مدحتِ شاہِ بطحیٰ کیا ہم کریں، نام سے ان کے دل میں ضیاء ہم کریں
ایسی اسمِ محمدؐ میں تاثیر ہے، دور ہوتے ہیں دنیا کے رنج و محن
جب بھی لوں اک مہک سی بکھر جاتی ہے، وادئی زیست جیسے نکھر جاتی ہے
عطر آمیز سانسیں بھی ہوجاتی ہیں، آپؐ کا نام ہے جیسے مشکِ ختن
کاش پوری ہو اک دن مری آرزو، جاؤں طیبہ کو میں با ادب با وضو
جس میں آرام فرما ہیں خیر البشرؐ، اس کی مٹی میں مل جائے میرا کفن
جب قلم نعت لکھنے کی کوشش کرے، شاہِ بطحیٰؐ تخیل کو ندرت ملے
بھیجے ہر لفظ آقاؐ درود آپؐ پر، اور ہو مقبولِ دربار میرا سخن
آپؐ کا نام لیوا پریشان ہے، ہر نئے ظلم کا اس پہ امکان ہے
ہے مسلماں سے منسوب دہشت یہاں، رحم فرمایئے دَور ہے پُر فتن
مجھ پہ آقاؐ کرم اتنا فرمایئے، خواب میں روئے پرنور دکھلایئے
میری ذہنی بصارت ہی کمزور ہے، مجھ کو بھی ہو عطا کچھ لعابِ دہن
بن کے خادم رہے یہ ندیمؔ آپؐ کا، ایسا کھل جائے آقا کوئی راستہ
سبز گنبد کا سایہ اگر مل گیا، دور ہو جائے گی عمر بھر کی تھکن

نعت شریف

از: ڈاکٹر شائستہ یوسف، بنگلور
موبائل: 09243083204

سوادِ قلب کو آنکھوں سے آشنائی دے
لہو سے نعت لکھوں ایسی روشنائی دے

صدا لگاؤں تو سو سو چراغ جل اٹھیں
لبوں کو نور کا وہ کاسۂ گدائی دے

جمال اقدس امی لقب ہی کافی ہے
گو آنکھیں بند رہیں راستہ سجھائی دے

اٹھا دے کون ومکاں سے ہر اک حجابِ جہاں
کہ میرے قلب کی دھڑکن مجھے سنائی دے

شبِ فراق میں شائستہ دل ہوا روشن
میرے حضورؐ کا جلوہ اسے دکھائی دے

پیش کش : الحاج سید نذیر احمد قادری

سابق مینیجر سنی جامع مسجد بارلین ودرگاہ حضرت خواجہ نظر اولیاء المعروف سہاگ کے پیرؒ، میسور روڈ، بنگلور

Scanned with CamScanner

سالنامہ

اللطیف

ویلور



